مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپیے　　فی شمارہ سات روپیے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ　ہوائی ڈاک　بیس پونڈ　یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک　سات پونڈ　یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیی شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۶۰　ماہ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۹۷ء　عدد ۶

فہرست مضامین

شذرات

مسلمانوں کو بابری مسجد کے لیے تڑپتے، بلکتے اور روتے ہوئے ۵ برس گزر گئے لیکن کوئی مقصد برآری نہیں ہوسکی اسکی بازیابی کے لیے جو تدبیر کی جاتی ہے وہ الٹی ہو جاتی ہے دوسری جانب بڑا دم خم ہے، تباہ شدہ مسجد کی جگہ پر مندر تعمیر کرنے کی تحریک میں بڑی قوت اور زور پیدا ہوتا جارہا ہے کارسیوکوں کو اعزاز و انعام دینے کے لیے جمع کیا جارہا ہے برابر نئی باتیں اور نئے چرچے سنائی دیتے ہیں اور ہر روز نئے نئے منصوبے بنائے جاتے ہیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ مسجد کی بازیابی کی راہ تو دشوار اور بعید تر ہوتی جارہی ہے مگر مندر کی تعمیر کا راستہ سبک اور ہموار ہوتا جارہا ہے۔ بابری مسجد ڈھانے والے تو روز اول سے علی الاعلان یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان اب بابری مسجد کا خیال اپنے ذہن و دماغ سے نکال دیں لیکن اب یہی بات ناسازگار حالات دیکھ کر خود بعض سنجیدہ، ذی شعور اور سوجھ بوجھ رکھنے والے مسلمان بھی کہہ رہے ہیں کہ ایک بابری مسجد کے لیے آخر مسلمان کیوں اپنے کو ہلاک و برباد کر رہے ہیں، اسے بھول جائیں اور اس پر صبر کر لیں تاکہ مزید خون خرابہ نہ ہو، جو چیز نہ ملنے والی ہو اس کے پیچھے پڑ کر ملنے والی چیزوں کو بھی گنوا دینا دانائی نہیں ہے، اس لیے مسجد کا خیال چھوڑ دیں، اپنی تعمیر و ترقی کے سامان کریں اور اقتصادی و تعلیمی پس ماندگی دور کرنے میں لگ جائیں!

موجودہ حالات میں مجبور و بیکس مسلمانوں کے لیے ظلم و تشدد سے ڈھائی جانے والی مسجد کی تعمیر واقعی ناممکن ہوگئی ہے اگر یہ مسئلہ اتنا ہی آسان ہوتا اور مسلمانوں کے دست و بازو میں قوت ہوتی تو مسجد مسمار ہی کیوں کی جاتی لیکن ان کی تھوڑی بہت امید ملک کے عدل و انصاف پسند اشخاص، جمہوریت اور سکولر نواز جماعتوں اور ملک کی عدالتوں سے وابستہ تھیں، انہیں خیال تھا کہ فرقہ وارانہ جنون کی لہر، شرپسندی اور غنڈہ گردی کی یلغاریں گو بہت تیز و تند ہوگئی ہیں لیکن جمہوریت کے شیدائی اور انصاف پسند انکے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر حق و صداقت کا بول بالا کریں گے اور عدل و انصاف کا خون نہ ہونے دیں گے، خاص طور سے متحدہ محاذ کی حکومت سے انہیں بڑی توقعات وابستہ تھیں، مگر کچھ تو اس کی واقعی مجبوریوں اور کچھ مصلحت پسندی اور باہمی کشمکش کی وجہ سے بابری مسجد کا معاملہ جوں کا توں ہی رہا اور اس کے حل چلاؤ کا وقت آگیا عدالتوں کی سست رفتاری بھی

نہیں بہت سی گفتنی و ناگفتنی باتیں بھی ہیں جنھوں نے اس کے بارے میں خوش فہمی ختم کر دی ہے، مسجد مسمار ہونے کے بعد ہی اس کا معاملہ لبرہن تحقیقاتی کمیشن کو سپرد کیا گیا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس نے اپنے کام کا آغاز ہی نہیں کیا، دوسری طرف مسجد ڈھا دینے والے اپنے "کارنامے" پر فخر کر رہے ہیں، ایسے مایوس کن حالات میں کس کو خیال ہو سکتا ہے کہ وہ دوبارہ بن جائے گی۔

دراصل یہ دو باتیں الگ الگ ہیں اور دونوں کی نوعیتیں بھی جدا جدا ہیں، ایک تو یہ کہ بابری مسجد کی تعمیر تو موجودہ حالات میں مشکل اور دشوار ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان اس کا خیال ہی دل میں نہ لائیں اور اسے بالکل بھول جائیں، پہلی بات کے سلسلے میں ان کو اپنی مجبوری اور بے چارگی کا پورا اندازہ ہے، اسی لیے اس کے بارے میں وہ آسمان و زمین سر پر نہیں اٹھائے ہوئے ہیں، وہ صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہر حال میں اس کے متعلق عدالت کا فیصلہ مانیں گے، رہی دوسری بات تو وہ ان کی حلق کے نیچے نہیں اتر رہی ہے، سنگھ پریوار کی نظریں تو کاشی اور متھرا اور نہ جانے کس کس پر گڑی ہوئی ہیں، جیسا کہ آر۔ ایس۔ ایس کے سربراہ نے حال ہی میں اس کا اعلان بھی کیا ہے، اس لیے ان سے بابری مسجد کو بھلا دینے کا مطالبہ سخت ناروا، نہایت بیجا اور بڑا دل شکن ہے اور یہ حقیقت تو روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے کہ مساجد کا تحفظ اور شعائر اللہ کا احترام فرض عین ہے، اس میں کوتاہی پر مسلمانوں سے مواخذہ ہوگا، اگر ان کی ذات سے متعلق کوئی مسئلہ ہو تو وہ اسے سو بار معاف کر سکتے اور ہزار بار بھول سکتے ہیں لیکن معابد کی تخریب اور شعائر الٰہی کی توہین کو بھلانا انکے بس میں نہیں ہے، یہی اسوۂ نبوی بھی ہے، آپ نے اپنے ذاتی مخالفوں اور جان کے دشمنوں کو برابر معاف کیا ہے اور قدرت کے باوجود ان سے کوئی انتقام نہیں لیا ہے، لیکن اللہ کے حدود اور شعائر و محارم کے معاملہ میں نہ کوئی رو رعایت کی ہے اور نہ کسی کی سفارش پر کان دھرا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمان بہت سی ضروری اور اہم باتوں سے واقعی غافل اور بے پروا ہو گئے ہیں، ان میں صحیح دینی شعور نہیں رہ گیا ہے، ایمان و عقیدہ میں پختگی اور درستگی ختم ہوگئی ہے، اعمال و اخلاق میں بڑی کجی اور بے راہ روی آگئی ہے، ان کا اتحاد پارہ پارہ اور اختلاف و انتشار بڑھ گیا ہے، نہ اپنی تعلیمی و اقتصادی پس ماندگی

دور کرنے کی فکر ہے اور نہ تعمیر و ترقی کا کوئی لائحہ عمل سامنے ہے، لیکن ان سب کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ بابری مسجد کے لیے دیوانے ہوگئے ہیں، بلکہ اس کے سلسلے میں انہوں نے جس صبر و ضبط، ہوش و تمکین اور اعتدال و توازن سے کام لیا ہے اگر وہ بے حسی نہیں ہے تو اس کی ان کو داد ملنی چاہیئے جس طرح مسلمانوں کے لیے بابری مسجد کو نسیاً منسیاً کرنا ضروری ہے اسی طرح اپنے حالات و معاملات کی اصلاح اور اعتقاد و عمل کی درستگی کرنا بھی ضروری ہے، اسی سے وہ نصرت الٰہی کے مستحق ہو سکتے ہیں اور بابری مسجد کی بازیابی کا اصل ہتھیار بھی یہی ہے، وہ ضرور مجبور اور بے بس ہیں لیکن ان کا خداوند مجبور اور بے بس نہیں ہے، اسے حالات کو موافق اور سازگار بنا دینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

اتر پردیش میں اردو کشی کی جو مہم پنڈت گووند ولبھ پنتھ جی اور ان کے جانشین ڈاکٹر سمپورنانند جی نے شروع کی تھی، اس کا اختتام اب بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت کے دور میں ہوا ہے، جس نے تمام اسکولوں میں درجہ سوم کے سنسکرت کا کورس درجہ چہارم اور پنجم میں پڑھانے اور سب کے لیے لازماً وندے ماترم پڑھنے کا اعلان کیا ہے، تاکہ بزعم خویش وہ اردو کا قصہ ہی ختم کر دے اور مزید ستم یہ کہ وندے ماترم جیسا مشرکانہ گانا پڑھ کر مسلمان اسلام پر قائم نہ رہیں، ایک طرف تو بی۔ جے۔ پی مرکز اور صوبوں میں برسر اقتدار آنے کے لیے اپنی پاکیٔ داماں کی حکایت بیان کر کے مسلمانوں کو بہلانے پھسلانے میں لگی رہتی ہے، دوسری طرف وہ ان کا وجود ہی ختم کرنے کے لیے انکا عقیدہ، مذہب، تہذیب و تمدن اور زبان ہر ہر چیز کو مٹا دینے کے بھی درپے ہے، اتر پردیش کی سرکاروں کے اسی مسلم کش اور اردو دشمن رویے کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے نجی اور علیحدہ تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے لیکن بی۔ جے۔ پی کی حکومت اس میں بھی رخنہ اندازی کر رہی ہے اور ان اداروں کے پانچویں درجہ پاس طلبہ کو چھٹے درجہ میں داخلہ کی سہولت نہیں دے رہی ہے، نجی اسکول قائم کرنے پر مسلمانوں پر علیحدگی پسندی کا الزام بھی عائد کیا جاتا ہے لیکن اگر وہ یہ ادارے نہ قائم کریں تو کیا مشرک و مرتد ہو جائیں۔

مقالات

سیرۃ النبی جلد پنجم کے بعض قرآنی مباحث

از ضیاء الدین اصلاحی

(۲)

تفسیر آیات دوسری جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی بعض قرآنی آیتوں اور فقروں کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے، ایک جگہ سورۂ فاتحہ کی بڑی دل نشین تفسیر کی ہے، پہلے اس سورہ کی اہمیت اس طرح واضح کی ہے کہ نماز کی مختلف حالتوں میں ان کے مطابق جو مختلف دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان میں نماز کی اصل دعا وہ ہے جس سے قرآن مجید کا آغاز ہوتا ہے اور جس کو آپ نے تمام عمر نماز کی ہر رکعت میں پڑھا ہے اور اس وقت سے آج تک تمام مسلمان پڑھتے آئے ہیں وہ سورۂ فاتحہ ہے جو مقاصد نماز کے ہر پہلو پر حاوی اور محیط ہے، یہ وہ دعا ہے جو خدا نے بندوں کی بولی میں اپنے منہ سے ادا کی ہے، جس کے بغیر ہر نماز ناتمام اور ادھوری رہتی ہے، یہ دعا اسلام کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ ہے، سید صاحب نے پہلے اس کی یہ اجمالی تفسیر کی ہے:

"خدا کی حمد و ستایش ہے، توحید ہے، اعمال کی جزا و سزا کا یقین ہے، عبادت کے مخلصانہ ادا کا اقرار ہے، توفیق و ہدایت کی طلب ہے، اچھوں کی تقلید کی آرزو اور بروں کی پیروی سے بچنے کی تمنا ہے۔" (ص ۹۸)

اس کے بعد مفصل تفسیر اس طرح کی ہے:

"جس وقت اس حمد میں خدا کی پہلی صفت "کل جہانوں کا پروردگار" زبان پر آتی ہے

تو اس کی تمام قدرتیں اور بخششیں جو زمین سے آسمان تک پھیلی ہیں، سب سامنے آجاتی ہیں، جہانوں کی وسعت کے تخیل سے اس کی عظمت اور کبریائی کی وسعت کا تخیل پیدا ہوتا ہے، سارے جہانوں کے ایک ہی پروردگار کے تصور سے کل کائنات ہستی کی برادری کا مفہوم ذہن میں آتا ہے، انسان ہوں کہ حیوان، چرند ہوں کہ پرند، پھر انسانوں میں امیر ہوں یا غریب، مخدوم ہوں یا خادم، بادشاہ ہوں یا گدا، کالے ہوں یا گورے، عرب ہوں یا عجم، کل مخلوقات خلقت کی برادری کی حیثیت سے یکساں معلوم ہوتی ہے، خدا کو "رحمان و رحیم" کہہ کر پکارنے سے اس کی بے انتہا رحمت، بے پایاں شفقت، غیر محدود بخشش اور ناقابل بیان کیفِ محبت کا سمندر دل کے کوزے میں موجیں مارنے لگتا ہے "روزِ جزا کے مالک" کا خیال ہم کو اپنے اعمال کی ذمہ داری اور مواخذہ سے باخبر اور خدا کے جلال و جبروت سے مرعوب کر دیتا ہے" ہم تجھ ہی کو پوجتے ہیں" کہہ کر ہم اپنے دل کی زمین سے ہر قسم کے شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتے ہیں۔ "ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں" بول کر ہم تمام دنیاوی سہاروں اور بھروسوں کو ناچیز سمجھتے اور صرف خدا کا سہارا ڈھونڈھتے اور سب سے بے نیاز ہو کر اسی ایک کے نیازمند بن جاتے ہیں، سب سے آخر ہم اس سے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق چاہتے ہیں، یہ سیدھی راہ (صراط مستقیم) کیا ہے؟ اس کی شریعت کے احکام ہیں۔"

تفسیر قرآن کا ایک اصول یہ ہے کہ خود نظائر قرآن سے اس کی تفسیر کی جائے کیونکہ جو بات ایک جگہ مجمل و مبہم ہوتی ہے وہ دوسری جگہ مفصل اور واضح ہوتی ہے، تفسیر القرآن بالقرآن کے اسی اصول کے مطابق سید صاحب نے صراط مستقیم (احکام شریعت) کی وضاحت کے لیے سورۂ انعام کی آیات [۱۵۲-۱۵۴] سے مدد لی ہے جن کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (انعام-۶:۱۵۴)

اور بے شبہ یہی ہے میرا سیدھا راستہ (صراط مستقیم) تو تم اسی کی پیروی کرو!

ان آیتوں کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ وحی محمدی کی اصطلاح میں صراط مستقیم یہ ہے: شرک نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک، اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ، ظاہری و باطنی ہر قسم کی برائیوں سے بچنا، معصوم اور بے گناہ جانوں کی عزت کرنا، ناحق قتل نہ کرنا، یتیم کے ساتھ احسان، ناپ تول میں ایمانداری، بلا رو رعایت سچ بولنا اور عہد کا پورا کرنا۔

یہ سب دراصل تورات کے احکام عشرہ جن کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں ہے، شب اسرا میں آپ کو من جانب اللہ مرحمت ہوئے اور جن کا ذکر سید صاحبؒ نے سیرۃ النبی جلد سوم میں معراج کے انعامات و اعلانات کے عنوان سے کیا ہے۔

سید صاحب کے نزدیک یہ وہ صفات عالیہ ہیں جو صراط مستقیم کی مختصر سی ترکیب توصیفی میں پنہاں ہیں اور جو اخلاق کا جوہر اور نیکی کی روح ہیں، جن سے خدا کے وہ خاص بندے متصف تھے جن پر اس کا فضل و انعام ہوا، ان بندگان خاص کی تشریح سورۂ نساء میں خدا نے خود کر دی ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔
(نساء-۴: ۶۹)

اور جو خدا اور رسول کے حکم پر چلتے ہیں
تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں، جن پر
خدا کا فضل اور انعام ہوا، یعنی نبی،
صدیق، شہید اور صالح لوگ، ان کی
رفاقت کیسی اچھی ہے۔

"سیدھی راہ سے ہٹنا" کے متعلق بتاتے ہیں کہ یہ دو طرح سے ہوتا ہے (۱) افراط (زیادتی)

(۲) تفریط (کمی) کے سبب سے۔ افراط یہ ہے کہ خدا کی شریعت میں ہم اپنی طرف سے بدعتوں کا اضافہ کریں، یہ گمراہی ہے اور تفریط یہ ہے کہ خدا کے احکام پر عمل چھوڑ دیں۔ اس سے خدا کا غضب قوم پر نازل ہوتا ہے اور ہر قسم کا انعام واکرام چھین لیا جاتا ہے، پہلی صورت کی مثال نصاریٰ ہیں جنھوں نے دین میں اپنی طرف سے ہزاروں باتیں اضافہ کر دیں، دوسری کا نمونہ یہود ہیں جنھوں نے احکامِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیا اور ہر قسم کے انعام واکرام سے محروم ہوگئے، مسلمانوں کی دعا یہ ہے کہ ہم کو ان دونوں غلط راستوں سے بچانا اور اعتدال کی شاہراہ پر قائم رکھنا۔" (سیرۃ النبی جلد ۵، ص ۱۰۲)

مصارف زکوٰۃ | سورۂ توبہ میں زکوٰۃ کے مصارف کی تعیین وتحدید کی گئی ہے، اس کی حکمت اور بعض دوسرے پہلوؤں کی وضاحت کرنے کے بعد سید صاحب نے ان ہشت گانہ مصارف کی تفسیر وتشریح کی ہے جو سیرت کی اس جلد میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، ہم چند مصارف کی تشریح پیش کرتے ہیں جس کا تعلق تفسیر قرآن سے ہے۔

فقراء ومساکین: میں وہ تمام اہلِ حاجت داخل ہیں جو اپنی محنت وکوشش سے اپنی روزی کمانے کی فرصت نہیں پاتے، جیسے مبلغین، مذہبی معلمین، بالغ طالب العلم جو

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (بقرہ ۲: ۲۷۳)

صدقہ ان فقراء کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں (بغرض معاش وتجارت) سفر کی قدرت نہیں رکھتے۔

میں اسی طرح داخل ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اصحاب صفہ داخل تھے اور وہ کم نصیب بھی داخل ہیں جو اپنی پوری محنت اور کوشش کے باوجود اپنی

روزی کا سامان پیدا کرنے سے اب تک قاصر رہے ہیں اور فاقہ کرتے ہیں۔

فی سبیل اللہ: (خدا کی راہ میں) ایک وسیع مفہوم ہے جو ہر قسم کے نیک کاموں کو شامل ہے اور حسب ضرورت کبھی اس سے مذہبی لڑائی یا سفر حج یا اور دوسرے نیک کام مراد لیے جاسکتے ہیں، اکثر فقہا نے فِي سَبِيلِ اللَّهِ سے مراد صرف جہاد لیا ہے مگر سید صاحب کے نزدیک یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ابھی آیت گزر چکی ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (بقرہ ۲-۲۷۳)

صدقہ ان فقرا کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں۔

یہاں فی سبیل اللہ سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے، اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے مگر ان کا استدلال جو لِلْفُقَرَاءِ کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے، ہوسکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے:

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ ۲: ۲۹)

اللہ نے تمہارے (فائدے کے) لیے جو کچھ زمین میں ہے سب پیدا کیا۔ (ص ۲۳۶، ۲۳۷)

آیتوں کا مستفاد وماحصل | سید صاحب جو آیتیں نقل کرتے ہیں عموماً ان کا مستفاد اور لب لباب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آیات کا مفہوم ومنشا اور مدعا پوری طرح واضح ہوجاتا ہے مثلاً روزہ سے متعلق آیتوں کا ماحصل یہ بیان کرتے ہیں:

"ان آیات پاک میں نہ صرف روزہ کے چند احکام بلکہ روزہ کی تاریخ، روزہ کی حقیقت، رمضان کی ماہیت اور روزہ پر اعتراض کا جواب یہ تمام امور مفصل بیان ہوئے ہیں۔" (ص ۲۸۳)

آگے چل کر آیات :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ۔۲: ۱۸۵) — وہ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ (دخان۔۴۴: ۳) — ہم نے قرآن کو ایک برکت والی رات میں اتارا۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (قدر۔۹۷: ۱) ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا۔

کو نقل کرکے ان کا مستفاد یہ بتایا ہے کہ رمضان وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن سب سے پہلی بار دنیا میں نازل ہوا۔ (ص ۲۹)

روزہ ہی سے متعلق یہ آیت بھی نقل کی ہے :

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ۔۲: ۱۸۵) — خدا تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

اس کے ضمن میں اسلام کے اس عام قانون :

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (بقرہ۔۲: ۲۸۶) — خدا کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

اور قرآن کے مبلغ کی یہ توصیف :

یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ — وہ ان کو نیکیوں کا حکم دیتا ہے برائیوں سے روکتا ہے اور گندہ چیزوں کو حرام کرتا ہے اور اس طوق اور زنجیروں کو جو ان کے اوپر پڑی ہیں، ان سے اتارتا ہے۔

کَانَتْ عَلَیْهِمْ (اعراف۔۷: ۱۵۷)

نقل کرکے ارشاد فرماتے ہیں :

" ان امور کا منشا یہ ہے کہ اسلامی عبادات و احکام میں کوئی چیز بھی اس غرض سے نہیں رکھی گئی کہ اس سے انسان کی جان کو دکھ پہنچایا جائے، روزہ بھی اسی سلسلہ میں داخل ہے اور اسی لیے اسلام نے روزہ کی ان سختیوں کو جو لوگوں نے بڑھا رکھی تھیں بتدریج کم کر دیا۔"

(ج ۵ ص ۱۰۳)

حج و شعائر حج سے متعلق یہ آیتیں تحریر کی گئی ہیں :

وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ (حج۔۲۲: ۳۰) — اور جو اللہ کی محترم چیزوں کا ادب کرے تو وہ اس کے پروردگار کے نزدیک بہتر ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (بقرہ۔۲: ۱۵۸) — بے شک صفا اور مروہ خدا کا شعار ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۔ (حج۔۲۲: ۳۲) — یہ ہے اور جو اللہ کے شعائر کا ادب کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری ہے۔

ان آیتوں سے اس کے نزدیک یہ ظاہر ہوا کہ حج کا ایک بڑا مقصد ان محترم مقامات کا ادب و احترام ہے تاکہ ان مقامات سے جو مقدس روایتیں وابستہ ہیں ان کی یاد قائم رہے اور دلوں میں تاثیر کی کیفیت پیدا کرتا رہے۔ (ج ۵ ص ۳۶۷)

توکل | سید صاحب نے توکل کو ایک قرآنی اصطلاح بتایا ہے، عام لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کام کے لیے جد و جہد اور کوشش نہ کی جائے بلکہ چپ چاپ ہاتھ پاؤں توڑ کے کسی حجرہ یا

خانقاہ میں بیٹھ رہا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ خود کر دیگا۔ یعنی تقدیر میں جو کچھ ہے وہ ہو رہے گا، اسباب اور تدبیر کی ضرورت نہیں لیکن یہ سراسر وہم ہے اور مذہبی اپاہجوں کا دل خوش کن فلسفہ ہے، جس کو اسلام سے ذرہ بھر بھی تعلق نہیں، وہ توکل کے متعلق تمام آیات نقل کر کے ان کا مدعا اس طرح بیان کرتے ہیں:

"توکل کے متعلق قرآن پاک کی جس قدر آیتیں ہیں وہ ایک ایک کر کے آپ کے سامنے ہیں، ہر ایک پر غور کی نظر ڈالیے کہ ان میں سے کوئی بھی ان معنوں میں ہے جن میں ہم اپنی جہالت سے اس کو سمجھتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا مفہوم یہ ہے کہ ہم مشکلات کے ہجوم، موانع کی کثرت اور پرزور مخالفوں کی تدبیروں سے نڈر ہو کر استحکام، عزم اور استقلال کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہ کر خدا کی مدد سے کام کے حسب خواہ نتیجہ پیدا ہونے کا دل میں یقین رکھیں۔" (ص ۴۴۷)

استدلال و اخذ نتائج سید صاحب کے یہاں قرآن مجید سے استدلال کے بہت سے دلچسپ اور حقیقت پر مبنی نمونے ملتے ہیں مثلاً وہ فہم و تدبر کی حقیقت یہ بتاتے ہیں کہ جو کچھ پڑھا جائے اس کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر بے پروائی کی وجہ سے معنوں کی طرف دل متوجہ نہ ہوا تو اس سے دل پر کچھ اثر نہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ اس حالت میں سمجھنے والا دل شرابی کے پہلو میں نہیں، چنانچہ فرمایا:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (نساء ۔۴۔۴۳)

نماز کے قریب نہ جاؤ، جب تم نشہ میں ہو یہانتک کہ (اتنا ہوش آجائے کہ) جو تم کہو اس کو سمجھو۔

اس آیت پاک سے ثابت کیا ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھا جائے اس کے سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔

اسی بنا پر آپ نے نیند کے غلبہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی کہ اس میں بھی انسان فہم و تدبر سے عاری ہو جاتا ہے۔ (ص۱۶۶)

چند اور آیات ملاحظہ ہوں:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (معارج ۔۷۰: ۲۳-۲۵)

جو اپنی نماز ہمیشہ ادا کرتے ہیں اور جن کے مالوں میں مانگنے اور محروم کا معلوم حصہ ہے۔

اس آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی دولت میں غریبوں کا جو حصہ ہے وہ متعین، مقرر، معلوم اور عملاً رائج ہے۔ (ص ۲۱۷ و ۲۱۸)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ۲: ۲۱)

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا، تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عبادت کی غرض و غایت محض حصول تقویٰ ہے (ص ۴۸، ۴۹)

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ (البقرہ ۲: ۲۳۸)

نمازوں کی نگہداشت کرو!

اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ "یہ نماز کی ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے نگہداشت کا حکم ہے (ص۶۹)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (روم ۔۳۰: ۳۱)

اور نماز کو کھڑا رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ!

اس سے پہلا استدلال یہ کیا ہے کہ توحید و ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے، دوسرا یہ کہ ترک نماز سے کفر و شرک میں گرفتار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (ص۲)

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ
اَکْبَرُ (عنکبوت ۔ ۲۹ : ۴۵)

اور نماز کھڑی کیا کر کہ نماز بے حیائی
اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے اور
البتہ خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے۔

اس آیت سے نماز کی یہ دو حکمتیں مستنبط کی ہیں ایک تو یہ کہ نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے اور دوسری اس سے بڑھ کر یہ کہ نماز خدا کی یاد ہے۔ (ص۲)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ
رَبِّہٖ فَصَلّٰی۔
(اعلیٰ ۔ ۸۷ : ۱۴ و ۱۵)

کامیاب ہوا وہ جس نے صفائی حاصل
کی اور اپنے پروردگار کا نام لیا پس
نماز پڑھی۔

سے معلوم ہوا کہ انسان کی فلاح اور پاکیزگی کے حصول کی تدبیر یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کا نام لے یعنی نماز پڑھے (ص۹)

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ
بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَمَنْ
تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ وَاِلَی اللّٰہِ
الْمَصِیْرُ (فاطر ۔ ۳۵ : ۱۸)

تو ان ہی کو تو ہوشیار کر سکتا ہے جو
بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے
ہیں اور نماز کھڑی کیا کرتے ہیں اور
جو تزکیہ اور دل کی صفائی حاصل کرتا
ہے وہ اپنے ہی لیے حاصل کرتا ہے اور
(آخر) خدا ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

سے ظاہر ہوا کہ نماز انسان کو اس کی اخلاقی کمزوریوں سے بچاتی، نفسانی برائیوں سے ہٹاتی اور اس کی روحانی ترقیوں کے درجہ کو بلند کرتی ہے۔ (ص۹)

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ

پس جب نماز (ایک رکعت) ادا

قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ
فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ
(نساء ۴ : ۱۰۳)

کر چکو تو اللہ کو اٹھتے، بیٹھتے اور پہلوؤں
پر یاد کرو، پھر جب اطمینان ہو جائے تو
نماز کھڑی کرو۔

اس سے سید صاحب یہ استنباط فرماتے ہیں :

" غور کرنے کی دو باتیں ہیں اول یہ کہ ایک رکعت جو باقاعدہ ادا ہوئی اس کو الصلوٰۃ کہا گیا اور دوسری رکعت جو خدا کا نام اٹھ کر، بیٹھ کر، جھک کر لیتے اور لڑائی، حملہ اور مدافعت کی حالت میں پوری ہوئی، اس کو صرف ذکر اللہ کہا گیا، دوسری بات یہ ہے کہ جنگ کی اس عارضی مخفف نماز کو اقامت صلوٰۃ کے لفظ سے ادا نہیں کیا گیا، حالانکہ ذکر الٰہی، تسبیح و تہلیل اور بعض ارکان بھی اس میں موجود تھے بلکہ یہ فرمایا گیا کہ (پھر جب اطمینان ہو جائے تو نماز کھڑی کرو) اس سے معلوم ہوا کہ اقامت صلوٰۃ کے معنی مطلق ذکر و فکر، تسبیح و تہلیل، حمد و ثنا اور تلاوت قرآن سے جداگانہ ہیں یعنی اقامت صلوٰۃ کے ضمن میں ذکر و فکر، تسبیح و تہلیل، حمد و ثنا اور قرأت کے علاوہ کچھ اور ارکان بھی داخل ہیں جو جنگ کی حالت میں کم یا موقوف ہو گئے تھے اور اب اس عارضی مانع کے دور ہو جانے کے بعد پھر بدستور نماز میں ان کی بجاآوری کا مطالبہ کیا جا رہا ہے" (ص۹۲)

آگے وہ جملہ ارکانِ نماز کا ثبوت بھی مختلف آیتوں سے بہم پہنچاتے ہیں۔

وَاتَّقُوْہُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا
تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ
فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا۔
(روم ۔ ۳۰ : ۳۱ و ۳۲)

اور خدا سے ڈرتے رہو اور نماز کھڑی
رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو، ان میں
سے جنھوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی
اور بہت سے جتھے ہو گئے۔

اس سے یہ استدلال ہے کہ نماز مسلمانوں میں باہمی الفت و محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، محلہ کے تمام مسلمانوں کے ایک جگہ دن میں پانچ دفعہ جمع ہونے اور ایک دوسرے سے باہم ملنے سے ان کی بے گانگی دور ہوگی اور ایک دوسرے کی امداد کے لیے ہر وقت تیار رہیں گے، نماز کا اجتماع ان کو جتھابندی اور فرقہ آرائی سے بھی روک سکتا ہے، ایک دوسرے سے ملاقات سے غلط فہمیوں کا موقع کم ملے گا۔ (ص۱۸۲)

وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ (مائدہ - ۵: ۲)	اور نہ ان کو (ستاؤ) جو اس ادب والے گھر کے قصد سے جا رہے ہوں، اپنے پروردگار کا فضل اور خوشنودی تلاش کرتے ہوئے۔

سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ لوگوں کے مال و اسباب کو لوٹنا جائز نہیں (ص۳۸۲)

حج میں تجارت کرنے کو بہتر اور طلب رزق کا جائز ہونا حسب ذیل آیت سے ثابت کیا ہے:-

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (بقرہ ۲: ۱۹۷، ۱۹۸)	اور راہ کا توشہ (خرچ) لے کر چلو، کہ راستہ کا سب سے اچھا توشہ تقویٰ (بھیک نہ مانگنا) ہے، اور مجھ سے ڈرو اے عقل والو! تم پر گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرتے ہوئے چلو (یعنی بیوپار کرتے ہوئے)

اسی طرح وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ الخ (بقرہ - ۲: ۱۲۵) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

مُسْلِمَيْنِ الخ (بقرہ - ۲: ۱۲۸) وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ الخ (حج ۲۲: ۲۶) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا الخ (ابراہیم ۱۴: ۳۵) کو نقل کر کے چھ نتائج اخذ کیے ہیں۔ (ص۳۰۳)

بعض قرآنی نکات اوقات صلوٰۃ پر مفصل بحث ہو چکی ہے، اس سلسلہ کی بعض آیتوں میں ظہر اور عصر کی نمازیں مجملاً مذکور ہیں یعنی دونوں کو ایک لفظ قبل الغروب یا اصیل یا طرف النہار لاکر بیان کیا گیا ہے، سورۂ روم کی آیت میں ظہر و عصر کی نمازوں کا نام تصریح کے ساتھ آیا ہے، مگر شام کی نماز میں اجمال ہے یعنی مغرب و عشا دونوں کو حِينَ تُمْسُونَ کے ذریعہ ادا کر دیا گیا ہے، اس سے سید صاحب یہ نکتہ آرائی فرماتے ہیں:

"یہ دونوں مل کر ایک بھی ہیں اور علیحدہ بھی ہیں، اسی بنا پر کسی اشد ضرورت اور سفر کی بے اطمینانی کے وقت ظہر و عصر کو ایک ساتھ اور مغرب و عشا کو ایک ساتھ ملا کر بھی ادا کر سکتے ہیں اور صبح کی نماز چونکہ ہر آیت میں ہمیشہ علیحدہ ذکر کی گئی ہے اس لیے اس کا کسی دوسری نماز سے ملانا جائز نہیں ہے۔" (ص۱۳۱)

غنیمت کے مال پر جو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے وہ خمس ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ (انفال ۸: ۴۱)	اور جان لو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت مند کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔

سید صاحب نے اس سے یہ نکتہ سمجھایا ہے:

"جہاد یا دشمنوں سے لڑائی کا اصل مقصد دین کی حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے،

غنیمت کا مال حاصل کرنا نہیں اور اگر کوئی اس نیت سے دشمن سے لڑے تو اس کی یہ لڑائی اس کی نگاہ میں جہاد نہ ہوگی اور نہ اس کا ثواب ملے گا، اس کی طرف خود قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد حدیثوں میں اس کی تشریح فرمادی ہے۔ اس بنا پر درحقیقت وہ مالِ غنیمت جو لڑائی میں دشمنوں سے ہاتھ آتا ہے ایک ایسا سرمایہ ہے جو بلا قصد اور بلا محنت اتفاقاً مسلمانوں کو مل جاتا ہے، اس سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ جو سرمایا کسی محنت کے بغیر اتفاقاً ہاتھ آئے، اس میں پانچواں حصہ نظامِ جماعت کا حق ہے یا حکومت کے مقررہ بالا مصارف کے لیے ہے۔" (ج ۵ ص ۲۱۹)

آگے بتایا ہے کہ رکاز (دفینہ) میں بھی خمس جماعت کے بیت المال کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔

سورۂ رعد میں صابرین کو فرشتوں کی اس مبارک باد کا ذکر ہے:

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (رعد۔ ۱۳: ۲۴)

تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تھا، تو آخرت کا انجام کیا اچھا ہوا۔

اس میں اس بات کو خیال کرنے کے لائق بتایا ہے:

"اس کے شروع میں چند نیکیوں کا ذکر ہے، صبر، نماز، خیرات، برائی کی جگہ بھلائی مگر فرشتوں نے اس میں مومن کے جس خاص وصف پر اس کو سلامتی کی دعا دی، وہ صرف صبر یعنی برداشت کی صفت ہے، کیونکہ یہی اصل ہے، جس میں یہ جوہر ہوگا وہ عبادات کی تکلیف بھی اٹھائے گا، مصیبتوں کو بھی جھیلے گا اور دشمنوں کی بدی کا جواب نیکی سے بھی دے گا، ایک اور روایت میں ہے کہ درگزر اور بدی کے بدلہ نیکی کی صفت اس میں ہوگی جس میں صبر ہوگا۔"

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ۔ بھلائی اور برائی برابر نہیں، برائی کا

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔

جواب اچھائی سے دو، تو یک بارگی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، وہ قریبی دوست سا ہو جائے گا اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو بڑی قسمت والا ہے۔

(فصلت۔ ۴۱: ۳۴و۳۵)

حمد کی حقیقت و مفہوم بیان کرکے اس نکتہ کی نشاندہی کی ہے "جس طرح سارے قرآن کا نچوڑ سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ کا نچوڑ خدا کی حمد ہے، اسی بنا پر قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے اور سورۂ فاتحہ کا آغاز الحمد سے ہے۔" (ص ۳۸)

قرآنِ پاک کی مختلف آیتوں میں مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد شکر الٰہی کا مطالبہ کیا گیا ہے، اس لیے سید صاحب فرماتے ہیں کہ ہر آیت میں شکر کے ادا کرنے کی نوعیت اسی نعمت کے مناسب ہوگی۔ مثلاً:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۔

(فرقان۔ ۲۵: ۶۱و۶۲)

بڑی برکت اس کی ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور اجالا کرنے والا چاند رکھا اور اسی نے رات اور دن بنایا کہ ایک کے بعد ایک آتا ہے، اس کے واسطے جو دھیان رکھنا یا شکر کرنا چاہے۔

میں اپنی نعمتوں کا ذکر کرکے شکر کی ہدایت کی ہے، یہ شکر اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ

اس قدرت والے کی قدرت تسلیم کریں اور دن کی روشنی اور چاند کے اجالے اور رات کے سکون میں ہم وہ فرض ادا کریں جس کے لیے یہ چیزیں ہم کو بنا کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح بعض اور آیتیں نقل کرکے ان نکات کو واضح کیا ہے (ص۴۸۲ و مابعد)

قرآن پاک میں مالی جہاد کی تنبیہ و تاکید بکثرت ہے، اس سلسلہ میں سید صاحب نے مثالوں سے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ ہر ایک موقع پر جان کے جہاد پر مال کے جہاد کو تقدم بخشا گیا ہے۔ (ص۵۰۵)

سیرۃ کی اس جلد میں تفسیر الآیات بالآیات اور نظائر قرآن سے آیات کی وضاحت کی مثالیں اوپر کی بحثوں میں گزر چکی ہیں، کہیں کہیں احادیث و روایات سے بھی آیات کی تفسیر کی گئی ہے، قرآن مجید کے بیان کی تصدیق و تائید کتب مقدسہ سے بھی کرتے ہیں، آیتوں کا شان نزول ان کے اور سورتوں کے مکی و مدنی ہونے کی تصریح کرتے ہیں، فقہی احکام و مسائل پر بحث و گفتگو بھی کی گئی ہے۔ قرآنی الفاظ و لغات کی تحقیق، نحوی بحثیں، کلام کی لطافت و بلاغت اور طرز ادا کی خوبیاں بھی جا بجا بیان کی گئی ہیں اور مفسرین کے بعض تفسیری اقوال و اختلافات کی حکایت بھی کی گئی ہے۔

مکی مواخات ۔ اسلامی معاشرہ کی اولین تنظیم

از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی

مدنی مواخات کو اسلام میں معاشرتی تنظیم کا آغاز خیال کیا جاتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد ۶۲۳ء کے آغاز میں مہاجرین و انصار کے درمیان استوار فرمائی تھی۔ یہ خیال اتنا پختہ اور دل نشیں ہوگیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کی تنظیم و تشکیل کا کوئی تصور کرنا بھی مشکل ہوگیا ہے، عوام تو درکنار علماء و محققین بھی اس کے صحیح ادراک سے قاصر ہیں۔ اسی بنا پر مکی اسلام و مدنی اسلام کی تفریق بھی کی جاتی ہے[1]

حقیقت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دور (۶۱۰-۶۲۲ء) میں اسلامی تہذیب و تمدن کا صحیح تو درکنار عمومی تجزیہ بھی نہیں کیا گیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگ روایتی طرز نگارش کے اسیر ہیں بلکہ یہ کہنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ مکھی پر مکھی مارنے کے عادی ہیں۔ مصادر و مآخذ میں جو مواد جس انداز میں ملتا ہے اس کو اسی انداز میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کتب سیرت و تاریخ تقریباً ایک جیسی ہوتی ہیں[2] مواد کی کمی نہیں، صرف ان کے تحلیل و تجزیہ کی ضرورت ہے اور ان کو نئے اور حقیقی انداز میں پیش کرنے کی حاجت ہے۔

یہ بڑا اہم مسئلہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور میں مسلمانوں کو منظم و مرتب کیا یا ان کی تنظیم کے معاملہ کو تیرہ سال تک کے لیے موخر رکھا؟ عام تصور کے برخلاف تاریخی شواہد اور کتب سیرت میں درج حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ تنظیم و تشکیل کے

علاوہ سماجی، معاشی اور تہذیبی ارتقاء کا سلسلہ بھی مکہ مکرمہ کے اولین زمانے ہی سے شروع ہوگیا تھا جن میں معاشرتی تنظیم سرفہرست تھی۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے بعض متقدمین و متوسطین اصحاب سیر نے بھی مدنی مواخات کی طرح مکی مواخات کا تذکرہ کیا ہے لیکن اکثر اصحاب سیر نے صرف مدنی ہی مواخات کا ذکر کیا ہے اور انہوں نے مکی مواخات کو اس سے خلط ملط کر دیا ہے، ان کے بیان کے مطابق مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ (مواخات) کرایا تھا اس کے نتیجے میں ایک مہاجر دوسرے انصاری کا بھائی بنا دیا گیا تھا اور وہ دونوں ہر شے میں شارکت و موافقت اور تعاون و تفاعل کے پابند تھے حتی کہ ایک بھائی کے مرنے پر اس کا دینی بھائی اس کی جائداد و مال کا وارث ہوتا تھا اور مرحوم کے خون کے رشتے دار محروم ہوجاتے تھے۔ اس کا ذکر سیرت کے تمام قدیم مصادر اور تاریخی مآخذ میں ملتا ہے اور انہیں پر ہماری تمام ثانوی کتب سیرت و تاریخ مبنی ہیں۔

سیرت کے بعض مصادر میں ایک اور مواخات اسلامی کا بھی ذکر ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی مسلمانوں کے درمیان استوار فرمائی تھی۔ مگر اس کا ذکر کوئی نہیں کرتا اور چند ایک جو اس کا ذکر کرتے بھی ہیں تو مدنی مواخات کے ضمن میں یا اس کے پس منظر میں مدنی دور ہی میں کرتے ہیں۔ اس کی اصل جگہ اور زمانے کو وہ نظر انداز کر گئے ہیں اسکا سبب وہی روایت پرستی اور روش عام کی پیروی ہے، ہمارے اکثر سیرت نگار ابن ہشام پر کلی انحصار کرتے ہیں، خال خال ہی دوسرے مصادر کی جانب اعتنا کرتے ہیں اور چونکہ ابن ہشام کی موجودہ کتاب سیرت میں مکی مواخات کا ذکر نہیں پایا جاتا اس لیے اس سے انکے تعرض کرنے کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا، بعض سیرت نگاروں نے ابن سعد پر اعتماد کر کے

یہ لکھا ہے کہ گو مواخات اصلاً مہاجرین و انصار کے درمیان ہوئی تھی لیکن بعض مہاجرین کے بعض مہاجرین سے اور بعض انصاریوں کا انصار سے بھی بھائی چارہ ہوا تھا لیکن یہ آخری شق تحقیق طلب ہے، یہاں اس کو نظر انداز کر کے ہم اصل مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

سیرت نبوی کے بہت سے مصادر ہماری دسترس میں نہیں ہیں تاہم جو بھی دستیاب ہیں ان میں سے متعدد میں مکی مواخات کا ذکر موجود ہے۔ ابھی تک کی معلومات کے مطابق محمد بن حبیب بغدادی (م ۲۴۵ھ/۸۶۰ء) پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکی مواخات کا ذکر صراحتاً اور مدنی مواخات سے علیحدہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل مواخات کی اور ان (مسلمانوں) کے درمیان "حق و مواسات" (سچائی اور ہمدردی) پر بھائی چارہ قائم کیا اور ایسا مکہ میں کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات والا صفات اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیچ مواخات قائم کی، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ ہاشمی اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کلبی، حضرت عثمانؓ بن عفان اموی و حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری، حضرت زبیرؓ بن عوام اسدی و حضرت عبداللہؓ بن مسعود ہذلی، حضرت عبیدہ بن حارث ہاشمی و حضرت بلالؓ بن رباح حبشی، حضرت مصعبؓ بن عمیر عبدری و حضرت سعدؓ بن ابی وقاص زہری، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح فہری و حضرت سالم مولی ابی حذیفہ اموی، حضرت سعیدؓ بن زید عدوی و حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی کے درمیان مواخات قائم کی۔ بغدادی نے اسی کے ساتھ ہی یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ مکہ کی مواخات تھی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قایم فرمائی۔۔۔ اور اس بار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت سہیل بن حنیف انصاری اوسی (م ۳۸ھ/۶۵۸ء) کے درمیان بھائی چارہ استوار کیا

اور اس کے بعد دوسرے تمام مدنی دینی بھائیوں کا ذکر کیا ہے [۱۳]

دوسرے اہم مورخ اور زمانی ترتیب میں مقدم حافظ ابن عبد البر (یوسف بن عمر بن عبد البر النمری ۳۶۸-۴۶۳ھ) ہیں جنھوں نے مکی مواخات کا ذکر کیا ہے مگر انھوں نے دونوں واقعات تنظیمی کی ترتیب الٹ دی ہے۔ وہ پہلے مدنی مواخات کا ذکر کرتے ہیں جس کا عنوان ہے: "مواخات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار رضی اللہ عنہم اجمعین"۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کے بعد وہ آخر میں یہ واضح بیان دیتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل حق و مواسات کی بنیاد پر ہی مہاجرین میں سے بعض کی بعض سے مواخات استوار کی تھی۔ ان کی بیان کردہ فہرست بغدادی کے مطابق ہے مگر انھوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نبوی ذات گرامی کی مواخات کا ذکر نہیں کیا ہے، اگرچہ مدنی مواخات کے حوالہ سے اس کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ کئی روایات بھی اس معنی و مطلب کی نقل کی ہیں [۱۴]

عظیم اندلسی سیرت نگار امام ابن سید الناس (محمد بن عبد اللہ بن یحیی ۶۷۱-۷۳۴ھ) نے دونوں مواخات مکی و مدنی کا واضح ذکر کیا ہے۔ "ذکر المواخات" کے عنوان سے وہ اپنا بیان اس طرح شروع کرتے ہیں کہ مواخات دوبار ہوئی۔ پہلی بار مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان "حق و مواسات" پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استوار کی۔ علامہ موصوف اور بغدادی کی فہرستیں یکساں ہیں۔ البتہ ان کے یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے درمیان مواخات کا ذکر سب سے آخر میں ہے، جبکہ بغدادی کی فہرست کا آغاز ہی اس سے ہوا ہے [۱۵]

محدث جلیل اور شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی (ابو الفضل شہاب الدین احمد بن

علی مصری شافعی (۷۷۳-۸۵۲ھ / ۱۳۷۲-۱۴۴۹ء) نے مکی مواخات کے بارے میں مزید روایات نقل کی ہیں۔ وہ حافظ ابن عبد البر کے اس بیان کو کہ مواخات دوبارہ ہوئی پہلی مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں دہرانے کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات زبیرؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے درمیان مواخات قائم کی، حالانکہ وہ دونوں مہاجرین میں سے ہیں۔ اس حدیث کو امام حاکم کے علاوہ حافظ ابن عبد البر نے بھی نقل کیا ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اس روایت کو اپنی تالیف لطیف مختارہ میں امام طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے اس سند کی مزید توثیق کر کے مکی مواخات کے بارے میں امام حاکم کی ایک روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ کے خیال میں مستدرک حاکم کی روایات کے مقابلہ میں مقدسی کی مختارہ کی روایات و احادیث زیادہ صحیح اور قوی ہیں۔ اسی مستدرک حاکم میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور فلاں فلاں میں مواخات استوار کی اور حضرت علیؓ کے استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا بھائی قرار دیا۔

گو حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی حدیث مواخات کی تشریح میں یہ تفصیل فراہم کی ہے، لیکن خود امام بخاریؒ نے اگرچہ مکی و مدنی زمانوں کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم انکے ترجمۂ باب، حدیث اور ابواب صحیح میں "حدیث مواخات" کی ترتیب وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تمام روایات بلکہ ان کا زور مدنی مواخات پر ہے، امام بخاری نے عنوان باب قائم کیا ہے: "باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ" اور اس میں حضرت سلمان الفارسی اور ابو الدرداءؓ کے مابین مواخات کا حوالہ ہے اور جو حدیث نقل کی ہے،

وہ حضرت سعد بن ربیع انصاری اور عبدالرحمٰن بن عوف زہری کی مواخات کا ذکر کرتی ہے اور یہ دونوں مواخات مدنی دور کی ہے جو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوئی تھی۔ امام بخاری نے بعض اور مقامات پر بھی "حدیث مواخات" کا ذکر کیا ہے اور وہاں بھی زمانہ مدنی ہی ہے مکی نہیں، اگرچہ ترجمۂ باب میں زمانہ کی قید نہیں ہے۔ پھر امام موصوف نے مواخات کا باب "باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ" کے بعد باندھا ہے جو اس بات کا اشارہ ہے کہ ان کی حدیث مواخات اور ترجمۂ باب کا تعلق مدنی دور سے ہے[۴]۔ امام بخاری کے ایک دوسرے شارح امام قسطلانی (احمد بن محمد المصری ۸۵۱-۹۲۳ھ / ۱۴۴۸-۱۵۱۷ء) نے بھی مکی اور مدنی دو بار کی مواخات کا ذکر کر کے وہی نام گنائے ہیں جو حافظ ابن سید الناس کی روایت کے مطابق روایت مواخات میں موجود ہیں۔ آخر میں "مشروعیۃ التواخی" کے فوائد اور مصالح بیان کیے ہیں[۵]۔

حسین بن محمد بن حسن دیار بکری م حدود ۹۶۶ھ / ۱۵۵۹ء نے مکی مواخات کے بارے میں حافظ ابن حجر، حاکم اور ابن عبدالبر کے حوالے سے کسی قدر تفصیل قلم بند کی ہے[۹]، مگر زیادہ تفصیل علی بن برہان الدین حلبی (۹۷۵-۱۰۴۴ھ / ۱۵۶۷-۱۶۳۴ء) نے فراہم کی ہے۔ انہوں نے حضرت زید بن ابی اوفی کی سند سے حافظ ابن الجوزی (ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد قرشی بکری حنبلی ۵۱۰-۵۹۷ھ / ۱۱۱۶-۱۲۰۰ء) کی روایت نقل کی ہے کہ میں مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آیا تو آپؐ نام لے لے کر لوگوں کو تلاش کر رہے تھے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے ارشاد فرمانے کے بعد حضرت ابوبکر و عمر کے درمیان مواخات استوار کی۔ اس پر امام حلبی نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخات استوار کی تھی جبکہ یہ دونوں حضرات مہاجرین میں سے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ

یہ مواخات ہجرت سے قبل مہاجرین کے درمیان کرائی گئی تھی اور راوی ابن ابی اوفی سے کچھ سہو ہو گیا کہ انہوں نے مہاجروں کے درمیان مواخات کی بات کہی ہے[۱۰]۔ معروف و مشہور تو یہی ہے کہ مواخات دو بار واقع ہوئی۔ ایک بار مہاجرین کے درمیان ہجرت سے قبل اور ایک بار ہجرت کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان ...۔" اس کے بعد امام حلبی نے مدینہ میں جن مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات ہوئی تھی، ان کی تعداد بیان کر کے اس پر دلیل قائم کی ہے اور مدنی مواخات کے بارے میں دوسری تفصیلات دی ہیں[۱۱]۔

علامہ زرقانی (عبدالباقی بن یوسف مصری ۱۰۲۰-۹۹ھ / ۱۶۱۱-۸۸ء) نے "ذکر المواخات بین الصحابۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین" عنوان کے تحت پہلے حافظ ابن البر کا قول نقل کیا ہے کہ مواخات دو بار ہوئی تھی اول بار مکہ میں مہاجرین کے درمیان اور امام حاکم کی روایت پر اس پہلی مواخات کے مذکورہ بالا دینی بھائیوں کے اسمائے گرامی نقل کیے ہیں۔ مواخات رضی اللہ عنہ سے متعلق مختلف روایات و تفصیلات کے علاوہ زرقانی نے مواخاتِ مکی کے بارے میں جو تفصیلات یا نکات دیے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں: امام حاکم کے مطابق حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان مواخات ہوئی تھی مگر ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ و ابن مسعودؓ میں استوار ہوئی تھی۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ جب ہر دو کے درمیان مواخات قایم ہو گئی تو صرف حضرت علیؓ باقی بچ گئے، ان کے عرض و معروض پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مواخات ہوئی جس کے متعلق احادیث کثیرہ منقول ہیں، آگے چل کر زرقانی نے مزید صراحت کی ہے کہ حاکم و ابنِ عبدالبر نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان مواخات استوار کی تھی حالانکہ وہ دونوں مہاجرین میں سے تھے۔ ان کا باقی

حافظ ابن حجر کے مطابق ہے اور پھر مدنی مواخات کی تفصیل دی ہے۔ جس کی اہم بات مواخات کی ضرورت وحکمت اور مقصد کی وضاحت ہے۔[۱۱]

مکی مواخات سے بے خبری کے اسباب

مندرجۂ بالا حقایق وشواہد سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں نئے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ کرایا تھا لیکن اس کے ذکر سے سیرت کے مشہور مصادر وماخذ خالی ہیں۔ اس کے اسباب و وجوہ کا پتہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ حیات نبوی اور سیرت محمدی کی تمام جزئیات جمع نہیں کی جا سکی ہیں۔ خصوصاً مکی دور اور ابتدائی عہد کے تنظیمی واقعات وحالات۔ کیونکہ زیادہ تر سیرت نگاروں کی توجہ دوسرے حالات ومعاملات پر مرکوز رہی، ابتدائی مؤلفین سیرت امام عروہ بن زبیر (۲۲-۹۴ھ / ۶۴۳-۷۱۳ء) امام زہری (محمد بن مسلم ۵۸-۱۲۴ھ / ۶۷۸-۷۴۲ء) اور ان کے تلامذۂ کرام امام ابن اسحاق (محمد بن اسحاق بن یسار ۸۵-۱۵۱ھ / ۶۹۵-۷۶۸ء) اور امام موسیٰ بن عقبہ (۵۵-۱۴۱ھ / ۶۷۵-۷۵۸ء) وغیرہ نے بہت سا مواد جمع نہیں کیا۔ ان میں بعض حضرات کی کتابیں اب دستیاب نہیں ہیں مگر ان کی مرویات دوسری کتابوں میں درج ہیں، عروہ بن زبیر کی مغازی اور ابن اسحاق کی سیرت چھپ گئی ہیں اور ان کے اردو ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔[۱۲]

دوسری وجہ یہ ہے سیرت کا بہت سا مواد تنقیح وتہذیب کے عمل میں صفحاتِ تاریخ سے محو ہو گیا جیسا کہ ابن ہشام (عبد الملک بن ہشام م ۲۱۳ھ / ۸۲۸ء) نے سیرت ابن اسحاق کی تہذیب وترتیب میں کیا۔ یا امتداد زمانہ اور عام بے اعتنائی سے ضایع ہو گیا، جیسے واقدی (محمد بن عمر ۱۳۰-۲۰۷ھ / ۷۴۷-۸۲۳ء) کی اصل کتاب سیرت کے دو تہائی گم شدگی یا امام اموی یحییٰ بن سعید بن ابان م ۱۹۴ھ / ۸۱۹ء کی سیرت نبوی وغیرہ کی بربادی۔

غرض تیسری/نویں صدی سے آج تک متعدد معتمد ومستند مصادر سیرت میں مکی مواخات کا ذکر ملتا ہے جس سے سیرت کا یہ مہتم بالشان واقعہ پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بغدادی ابن عبد البر، ابن سید الناس، ابن حجر عسقلانی اور ان کے حوالے سے حاکم ومقدسی نے اور قسطلانی، دیار بکری، حلبی اور زرقانی وغیرہ نے نہ صرف اس کی روایت کی ہے بلکہ اس کو مستند ومعتبر بھی قرار دیا ہے۔ استناد وشہادت کے باب میں امام ابن تیمیہؒ کی رائے بھی موجود ہے جو اسے اور بھی معتبر ومعتمد علیہ بناتی ہے۔ گویا مکی مواخات کی روایات ایک دو نہیں متعدد کتب سیر وتاریخ میں موجود ہیں۔ غالباً اس سے بے خبری کا سب سے بڑا اور خاص سبب مکی ومدنی مواخات کے بارے میں روایات کا اختلاط ہے۔

مکی ومدنی مواخات میں اشتباہ کے اسباب

رواۃ نے اپنی بعض روایات میں ان دونوں واقعاتِ مواخات میں خلط ملط کر کے غلط مبحث ہی نہیں کیا بلکہ متعدد اہل حدیث، اصحاب اخبار اور مورخین کو پراگندہ بیانی کا شکار بھی بنایا ہے۔ یہ حضرات بالعموم بحث کا آغاز اس عنوان سے کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد مسجدِ نبوی میں ایک روز نام بنام اپنے صحابۂ کرام کو بلایا اور انصار ومہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا مگر جب وہ صحابۂ کرام کے ان دینی بھائیوں کا ذکر کرتے ہیں تو طرفین میں مہاجرین ہی کا نام لیتے ہیں۔ یہ الجھاؤ اور تضاد متعدد حضرات کے ہاں پایا جاتا ہے، مثلاً امام ابن حبان بستی (محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التیمی البستی م ۳۵۴ھ / ۹۶۵ء)۔ مدنی مواخات کا جو پس منظر بیان کرتے ہیں وہ بہت دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ بخار کی نقاہت کے سبب بیٹھ کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ فرمایا: بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز قائم کی نماز سے آدھی ہوتی ہے لہذا لوگوں نے اپنی نماز کھڑے ہو کر پوری کی۔ آپ نے

دعا فرمائی: اے میرے اللہ! مدینہ میں مجھے مکہ سے دوگنی برکت عطا فرما۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم فرمادیں۔ یہ ماہِ رمضان تھا۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے اور فرمانے لگے فلاں فلاں کہاں ہے؟ آپ برابر ان کو گناتے اور بلاتے رہے تا آنکہ وہ آپ کی خدمت میں اکٹھا ہوگئے۔ پھر فرمایا: میں تم سے ایک بات (حدیث) بیان کرتا ہوں اس کو یاد کرلو اور اسے اپنے بعد والوں سے بھی نقل کرو: "اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ایک مخلوق کا انتخاب فرمایا اور یہ آیت پڑھی: اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (سورہ ۲۲ آیت ۷۵)۔ یہ مخلوق ایسی ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں بھی تم میں سے کچھ کو جن کو چاہوں منتخب کرنے والا ہوں اور تمہارے درمیان اسی طرح مواخات قائم کرنے والا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے درمیان مواخات استوار کی ہے۔ پھر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو بلایا اور ان سے کچھ فرمایا اور پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر کچھ فرمایا اور ان کے درمیان مواخات قائم کی۔ اسی طرح آپ نے حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو باری باری بلا کر فرمایا اور مواخات ان دونوں میں استوار کی۔ یہی طرزِ عمل حضرت طلحہؓ و زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عمار بن یاسرؓ اور عمیر ابو الدرداءؓ اور سلمان فارسی کے بارے میں اختیار فرمایا، امام بیہقی نے ان کلمات عالیات کا بھی ذکر کیا ہے اور خاتمہ میں یہ لکھا ہے کہ آپ نے صحابۂ کرام پر نظر ڈالی اور فرمایا: "بشارت ہو اور آنکھ ٹھنڈی ہو۔ تم پہلے ہوگے جو حوض پر پہونچوگے۔ تم بلند ترین غرفات میں ہوگے اور آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جانب نظرِ رحمت کی اور فرمایا: اللہ کی حمد ہو جو گمراہی سے جسے چاہتا ہے بچالیتا ہے اور ہدایت عطا فرماتا ہے"۔[۱۳] اس کے بعد کا حصہ روایت حضرت علیؓ سے آپ کی مواخات سے متعلق ہے۔ جو بعد میں زیرِ بحث آئے گا۔

غور فرمائیے کہ امام موصوف مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کا تذکرہ اور مسجدِ نبوی میں اس کے انعقاد کی تفصیل بیان کر رہے ہیں لیکن جن چھ چھ اشخاص کا ذکرِ خیر فرمایا ہے اور ان میں پانچ پانچ بشمول حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاشمی اور علی بن ابی طالب ہاشمی مہاجرین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور صرف ایک ایک یعنی ابوالدرداءؓ عمیر اور سلمانؓ فارسی مدنی و انصاری ہیں۔ بلکہ اصلاً انصاری تو صرف حضرت ابو الدرداءؓ رہیں۔ رہے حضرت سلمانؓ تو ان کا تعلق فارس سے تھا جن کو زیادہ سے زیادہ مدنی کہا جاسکتا ہے۔ جو ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں آبسے تھے لیکن ان کو انصاری نہیں قرار دیا جاسکتا۔[۱۴]

روایاتِ مواخات کے مزید تجزیہ و تنقیح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن حبان کی طرح امام حاکم، امام ابن عبدالبر، حافظ مقدسی، امام طبرانی، علامہ دیاربکری، علامہ حلبی اور علامہ زرقانی کی نقل کردہ بعض روایات و احادیث میں بھی اختلاط کا عنصر پایا جاتا ہے اور اس کا اصل سرا دراصل امام سیرت ابن اسحاق (محمد بن اسحاق بن یسار، ۸۵-۱۵۱ھ / ۷۰۴-۷۶۸ء) کے یہاں ہے جو مدنی دور کے ضمن میں "المواخات بین المہاجرین والانصار" کا عنوان قائم کرتے ہیں مگر اس میں پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کی مواخات کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر بالترتیب حضرت حمزہؓ و زید بن حارثہؓ اور جعفر بن ابی طالبؓ اور معاذ بن جبلؓ کا ذکر کرتے ہیں۔ جس پر ابن ہشام کا یہ تبصرہ بھی ہے کہ حضرت جعفرؓ اس وقت ارضِ حبشہ میں تھے۔

ابن اسحاق کی باقی روایت، مواخات میں واقعتاً مہاجرین و انصار کے نام آئے ہیں۔[۱۵]

ایک دوسرے امام سیرت و طبقات ابن سعد (محمد بن سعد بصری م ۱۶۸-۲۳۰ھ / ۷۸۴-۸۴۵ء) نے یہ کہہ کر ایک مزید الجھن پیدا کردی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو

آپؐ نے بعض مہاجرین بعض مہاجرین سے مواخات کی اور پھر مہاجرین و انصار میں مواخات کی اگرچہ انہوں نے صحابۂ کرام میں سے کسی کا نام نہیں لیا ہے[16]۔ یہ پراگندہ بیانی بلاذری (احمد بن یحییٰ بن جابر م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) کے ہاں ملتی ہے۔ انہوں نے "قالوا" کہہ کر راویوں کی روایت یوں نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و مواسات کی بنیاد پر مواخات استوار کی، حمزہؓ و زید بن حارثہؓ ہیں، ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ دوسرے پیراگراف میں ان کا ایک نیا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے درمیان اس شرط پر مواخات قائم کی کہ وہ ذوی الارحام کے بجائے آپس میں وارث ہوں گے۔ بعد بدیہ توارث ختم ہوا۔ بلاذری نے مکی مواخات کا حوالہ نہیں دیا ہے پھر بعد میں مدنی مواخات کا اسی تسلسل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مگر ان کی مواخات کی روایات مدنی دور ہی سے متعلق ہے گو انصار و مہاجرین کا عنوان اور ہجرت مدینہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے تاہم آخری پیرے میں مہاجرین و انصار کا حوالہ موجود ہے کہ ان میں سے کوئی ایسا نہیں رہا تھا جس کی مواخات استوار نہ کی گئی ہو[17]۔

ابن سعد نے طبقات صحابۂ کرام میں متعدد مہاجرین کی باہمی مواخات کا ذکر جلد سوم وغیرہ میں کیا ہے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب و زید بن حارثہ کلبی کی مواخات کا ذکر کیا ہے مگر اس میں مکان کا حوالہ نہیں ہے۔ البتہ حضرت علیؓ کے ذکر خیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مواخات کا ذکر بھی ہے اور جلد اول کے بیان کی تکرار بھی کہ مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کی اور انصار و مہاجرین کے درمیان بھی مواخات استوار کی۔ حضرت زید بن حارثہ کی مہاجری مواخات کا ذکر ہے پھر مدنی مواخات کا جو حضرت اسید بن حضیر سے کی گئی تھی یہ دہری مواخات کا بیان ہے جو بعض دوسرے صحابۂ کرام کے تذکروں میں بھی ہے[18]۔

لیکن متعدد صحابۂ کرام کے ضمن میں صرف مدنی مواخات یا انصار و مہاجرین کی مواخات

کا واضح بیان ہے جیسے حضرات ابومرثد غنوی و عبادہ بن صامت، مرثد بن ابی مرثد غنوی و اوس بن صامت، حضرت طفیل بن حارث و حصین بن الحارث کی دو انصاریوں سے مواخات، حضرت ابوحذیفہ اموی و عباد بن بشر انصاری کی صرف مدنی مواخات کا ذکر ہے جبکہ ان کے مولیٰ حضرت سالم کی مکی اور مدنی مواخات دونوں کا ذکر ملتا ہے جو بہت عجیب باب ہے۔ مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کا تذکرہ ابن سعد کی سوانحی تفصیلات کا ایک لازمی جزئیہ ہے جو آخر تک تقریباً تمام صحابۂ کرام کے ضمن میں ملتا ہے لیکن اس سے ہم کو سردست بحث نہیں ہے[19]۔ مگر یہ بہت نادر دلچسپ بات ہے کہ ایک مولیٰ کی مواخات مکی کا ذکر بھی ہوا اور مدنی مواخات کا بھی، مگر ان کے سرپرست و آقا کی مکی مواخات کا حوالہ تک نہ آئے۔ یہاں یہ محسوس ہوتا ہے کہ روایات میں کہیں خلا رہ گیا ہے۔ ابھی تک ہم نے جن کتب سیرت و تذکرہ کا مطالعہ کیا ہے اور جو اہل علم کو دستیاب ہیں ان میں سے کسی میں حضرت ابوحذیفہؓ کی مواخات کا ذکر نہیں مل سکا، نہ مکی اور نہ مدنی، مگر ان کے مولیٰ حضرت سالمؓ کی دونوں مواخات کا ذکر ملتا ہے یعنی ایک مہاجر سے بھی مواخات کا اور ایک انصاری صحابی سے بھی۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد جدید کے بیشتر اور بعض کبار سیرت نگاروں نے مکی مواخات کا اپنی اپنی تالیفات میں ذکر کیوں نہیں کیا؛ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کو سرے سے اس کا علم ہی نہیں ہو سکا اور جن کو علم ہوا وہ روایت پرستی کے سبب اس کو مکی دور میں اس کے صحیح موقع و محل میں پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں[ع]۔

ع معارف: مقالہ نگار نے اس مسئلہ کو جس قدر اہمیت دی ہے ممکن ہے اور لوگوں کے نزدیک یہ مسئلہ اتنا اہم نہ ہو اس لیے انہوں نے مکی مواخات کا ذکر نہ کیا ہو اور ظاہر ہے کہ مدنی (بقیہ ص۴۳۴ پر)

مواخات کا مقصود وعامل

مکی مواخات کے مطالعہ میں اہم مسئلہ اس کے سبب وعامل کا ہے کہ مکی مواخات کیوں کی گئی؟ اس کا ایک مختصر اور تاریخی حوالے سے جواب تو یہ دیا جا سکتا ہے کہ جو وجہ مدنی مواخات کا باعث بنی تھی وہی مکی مواخات کے لیے بھی تھی۔ مکی مسلمانوں کے لیے روایت کے لیے بالعموم مہاجرین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جو غلط فہمی پیدا کرتی ہے مگر راویوں کے سامنے چونکہ مدنی مواخات کا پیش منظر تھا کہ وہ مہاجرین وانصار کے دو عرب طبقات کے درمیان استوار کی گئی تھی لہذا غیر شعوری طور پر انہوں نے "مہاجرین" کی اصطلاح استعمال کر لی کہ وہ ہجرت سے قبل صرف انہیں کے درمیان قائم کی گئی تھی۔ حالانکہ اس کے لیے صحیح لفظ اہل مکہ یا مکی مسلمانوں کا تھا۔

یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ مکی مسلمانوں کا تعلق مختلف قبیلوں اور خاندانوں سے تھا۔ ان میں قریشی اور غیر قریشی دونوں شامل تھے۔ خاص مکہ مکرمہ کے باشندے بھی تھے اور بعض دوسرے علاقوں کے باشندے بھی۔ پھر ان کے خاندانی تعلقات بھی غیر مستحکم بن گئے تھے کہ کسی کا بھائی مسلمان تھا تو بہن غیر مسلم، بیوی مسلم تھی تو شوہر غیر مسلم، باپ صاحب ایمان تھا تو ماں کافر، یا اس کے برعکس۔ مسلمانوں کے بعض پورے پورے خاندان بھی مسلم ہو گئے تھے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی زیادہ تر منقسم خاندانوں کے افراد تھے یا اپنے خاندانوں سے اسلام کی وجہ سے منقطع واجنبی بن گئے تھے۔ مسلمانوں کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے خاندانوں سے کٹ گئے تھے اور اگرچہ ان کو ان کے خاندانوں نے بالکل ترک نہیں دیا تھا مگر ان کو اب

(بقیہ حاشیہ ۴۳۳) مواخات جیسی اہمیت مکی مواخات کی ہے بھی نہیں، مکی و مدنی اسلام کی تفریق یقیناً غلط ہے لیکن مکی اور مدنی دور میں فرق اور دونوں کے حالات واحکام میں اختلاف تو ہے ہی جس کو مقالہ نگار اہمیت نہیں دے رہے ہیں اور دوسروں پر خواہ مخواہ طنز وتعریض کر رہے ہیں۔

اپنا رکن بھی نہیں سمجھتے تھے۔ دوسری طرف ان کے خاندان کو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ تھا کہ ان کے افراد واشخاص کو مسلم بنا کر ان کے خاندانی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا اور یہ ان کا سب سے بڑا شکوہ تھا۔

جب ان مکی مسلمانوں کی تعداد معتدبہ ہو گئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں مکی مواخات یا اسلامی بھائی چارہ قائم کرایا۔ اس کی وجہیں تو بہت ہیں لیکن مندرجہ ذیل تین بنیادی اور اہم ہیں: اول خاندانی روابط سے محروم اور اعزہ و اقارب کی محبت وشفقت اور تعلق سے منقطع مسلمانوں کو ایک ایسا سماجی اور معاشرتی ماحول فراہم کیا جائے جو ان کو یگانگت وہم آہنگی فراہم کرے اور خاندان سے تعلق ٹوٹنے کے سبب جو معاشرتی خلا پیدا ہو گیا ہے اسکو پر کرے۔ دوم متعدد مکی آیات میں امت اسلامی کو دوسری امتوں اور دوسرے لوگوں سے الگ اور ممتاز معاشرتی جماعت قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے از اول روز یہ حقیقت واضح تھی کہ مسلمانوں کی معاشرتی تنظیم اور مذہبی تہذیب اور سیاسی تشکیل کرنی ہے مگر اس کے لیے وہ اذن الٰہی کے ساتھ ساتھ موزوں وقت کے بھی منتظر تھے؏ جونہی یہ دونوں شرطیں پوری ہوئیں اور مکی مسلمانوں کی ایک معتدبہ تعداد وجود میں آگئی اور حالات کے دباؤ نے ان کو مکی اور قریشی سماجی نظام میں اچھوت بنا دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں مواخات کے ذریعہ معاشرتی ہم آہنگی پیدا کر دی۔ سوم اسلام صرف ایک مذہب کی حیثیت سے وجود میں نہیں آیا تھا۔ وہ ایک دین ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے لہذا معاشرتی وسماجی سطح پر بھی وہ اپنی انفرادیت، اپنا تشخص اور اپنا ملی وجود قائم و مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اسلامی دینی تعلیمات میں معاشرتی، قانونی، سیاسی، اقتصادی اور

؏ معارف: اسی بنا پر مکی و مدنی عہد میں بھی فرق کیا جاتا ہے۔

تہذیبی سب ہی قسم کے احکام شامل تھے۔ قریشی اکابر کو بھی اس کا ادراک جلد ہو گیا تھا کہ اسلام ان کے جاہلی نظام کے بالمقابل ایک متوازی نظام استوار کرنا چاہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آغازِ اسلام میں جب یہ کہا تھا کہ "ہم جس دن تین سو ہو گئے تو یا تو تم اسے ہمارے لیے یا ہم تمہارے لیے خالی کر دیں گے"[۲۱] تو وہ محض ایک تعلی آمیز دھمکی یا تفاخر نہ تھا بلکہ اپنی تنظیمی قوت کی پیش گوئی تھی۔ مسلم آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی اداروں کا وجود میں آنا ناگزیر یہ واقعات کا سلسلہ تھا جس کو کسی طرح سے روکا نہیں جاسکتا تھا اور بالآخر مدینہ میں ایسا بطور احسن وجود پذیر ہوا اس کی اولین وجہ یہ تھی کہ ہجرتِ نبوی سے معاً قبل شہر نبی میں مسلم اکثریت وجود میں آگئی تھی، مسلم طبقات میں اوس وخزرج اور مہاجرین وغیرہ کے متعدد سماجی تقسیمات تھیں، جو اپنے قبائلی اور سماجی روایات و ترجیحات کی پابند تھیں۔ ان کو جب اسلامی سماجی تنظیم میں پرو دیا گیا تو اسلامی بھائی چارہ اور دینی مواخات کا وہی طریقہ اپنایا گیا جو مکہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ کی تنظیم و تشکیل اور اس کے وجود کا صرف اور صرف ایک ہی محور ہو سکتا ہے اور وہ اسلام کا تعلق تھا۔

حواشی

۱؎ مکی اسلام اور مدنی اسلام کی تفریق مستشرقین کی تحریروں میں عام ہے جس کا اثر مسلمانوں اور بالعموم ان کے جدید تعلیم یافتہ طبقے پر بھی پڑا ہے، ملاحظہ ہو: جی ای وی گرونی بام (G.E.V. GRUNE BA-UM) کلاسیکل اسلام (QLASSICAL ISLAM) انگریزی ترجمہ لندن ۱۹۷۰ء ص ۲۷-۳۱ وغیرہ۔ اسی بنا پر خیال کیا گیا ہے کہ مکی دور میں احکام نہیں دیے گئے تھے جس کو قرآن کریم کی مکی سورتوں کے حوالے سے زیادہ پیش کیا جاتا ہے۔ ۲؎ عربی، اردو اور بیشتر انگریزی کتب سیرت کا موازنہ اس

روایت پرستی اور ایک دو مصادر پر کلی انحصار کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے، ان کے موضوعات و عناوین اور مباحث وغیرہ یکساں ہوتے ہیں صرف زبان و اسلوب کا فرق ہوتا ہے۔ ۳؎ کتاب المحبر ملتث، کی تالیفی خصوصیت یا ترتیبی تنظیم یہ ہے کہ وہ مختلف عناوین کے تحت غیر مربوط مباحث پیش کرتی ہے۔ لہٰذا وہ ذکر المواخات کے تحت پہلے مکی مواخات کو پھر مدنی مواخات کو بیان کرتی ہے جو ان کے انداز تالیف کے مطابق بالکل منطقی ہے۔ علاوہ وہ کتاب سیرت و تاریخ و تہذیب ہے۔ حضرت سہیل بن حنیف اوسی انصاری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں شریک رہے، مدینہ میں ان کی مواخات حضرت علیؓ سے ہوئی، یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمیشہ حامی و ناصر رہے اور جنگ صفین میں انہیں کے پرچم تلے شریک ہوئے۔ حضرت علیؓ کی زندگی میں وفات پائی تو حضرت موصوف نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ کوفہ میں مدفون ہوئے، نیز ابن اثیر، اسد الغابہ دوم ص ۳۶۴-۳۶۵ ۴؎ الدرر فی اختصار المغازی والسیر، ص ۵-۹۲، ۵؎ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، اول، ص ۹۸-۲۶۴ ۶؎ فتح الباری مطبعہ دار المعرفۃ بیروت (غیر مورخہ) ہفتم ص ۲۷۰-۲۷۱ ۷؎ الجامع الصحیح، باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ۔ وراثت کے حق برادر کا ذکر امام بخاری نے کتاب التفسیر، سورۃ النساء میں بھی کیا ہے۔ (مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۴۵ھ کی طباعت ۸۸/۵) نیز ملاحظہ ہو: مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب مواخات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۸؎ ارشاد الساری، مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۱۳۲۴ھ ششم ص ۲۳۶ ۹؎ تاریخ الخمیس، المطبعۃ العامرۃ العثمانیہ ۱۳۰۲ھ، اول ص ۳۰۸-۳۰۹ ۱۰؎ السیرۃ الحلبیۃ، قاہرہ ۱۳۹۲ھ دوم ص ۱۱۹-۱۲۰ ۱۱؎ شرح المواہب اللدنیہ، بولاق ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء اول ص ۳۴۹-۳۵۲ (دار الطباعۃ المیریۃ المصریۃ) ۱۲؎ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو: جوزف ہورووٹس، اولین کتب سیرت اور ان کے مولفین، اردو ترجمہ

از نثار احمد فاروقی، نیز خاکسار کا مضمون "مقدمہ بر کتب سیرت" [13] کتاب الثقات، دار المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۷۵ء اول ص ۴۲ - ۱۳۹ [14] دونوں کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اثیر، اسد الغابہ دوم، چہارم، پنجم اور ابن سعد کی طبقات، ص ۹۳-۵۰۔ حضرت سلمان فارسیؓ ہجرت نبوی سے قبل تلاش حق میں بہت ملکوں کی خاک چھاننے کے بعد مدینہ منورہ آبسے تھے اور مدنی بن چکے تھے، وہ ہجرت کے بعد اسلام لائے اور ابوالدرداء کے بارے میں ابن اثیر کا دلچسپ تبصرہ ہے کہ وہ اپنے خاندان (دار) والوں میں سب سے آخر میں اسلام لائے۔ [15] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، قسم اول، ص ۵۰۴-۵۰۶ [16] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، اول ص ۲۳۸-۹، میں مواخات کے ذریعہ استوار ہونے والے رشتہ کے بھائیوں کا ذکر نہیں ہے، لیکن دوسری جلدوں جلد سوم میں جو بدری صحابۂ کرام کے مہاجر و انصار طبقات پر مبنی ہے، ان حضرات کے تذکروں میں ان کی مواخات کا ذکر ضرور کرتے ہیں اور دو ہی بھائیوں کا ذکر نہیں کرتے بلکہ بعض دوسری اختلافی روایات بھی نقل کرتے ہیں جن میں ایک مہاجر صحابی کی مواخات دو دو یا تین تین انصاری صحابہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ان اختلافی روایات کا تجزیہ آگے آئے گا۔ [17] بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء، اول، ص ۲۷۰-۲۷۱ [18] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد سوم ص ۹، ص ۲۲، ص ۴۴، ص ۵۱، ص ۵۶، ص ۸۸، ص ۱۰۲، ص ۱۲۶ وغیرہ [19] ابن سعد نے مکی اور مدنی مواخات کی تفریق نہیں کی ہے بلکہ ہم نے کی ہے کیونکہ وہ ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے مواخات کا ذکر کرتے ہیں جو حقیقت میں مکی عہد کی ہے۔ مگر ابن سعد کے مطابق وہ مدنی ہے کیونکہ وہ مہاجرین کے باہمی بھائی چارے کے بھی اسی طرح قائل ہیں جس طرح مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کے۔ [20] ابن اسحاق/ابن ہشام، اول ص ۲۶۷ ابوطالب سے قریشی اکابر نے جو شکایت کی تھی کہ انھوں نے تمہارے اور تمہارے آباء و اجداد کے دین کی مخالفت کی اور تمہاری قوم کے

اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا (وفرق جماعۃ قومہ) اور ان کی عقلوں یا عقلمندوں کو حماقت آمیز ٹھہرایا۔ ص ۲۷۰-۲۷۱ [21] یہ ان کا ایک اور شکوہ نقل کیا ہے: "... وہ ایسا کلام لے کر آئے ہیں جو جادو ہے جس کے ذریعہ وہ آدمی اور اس کے باپ میں، انسان اور اس کے بھائی میں اختلاف پیدا کر دیتا ہے، شوہر کو بیوی سے اور انسان کو اس کے خاندان (عشیرہ) سے جدا کر دیتا ہے"۔ ایسی مثالیں اور شکوے بہت ہیں، اسلام لانے سے قبل حضرت عمرؓ کو بھی اس کی شکایت تھی [22] ابن ہشام، اول ص ۳۴۹: حضرت عمرؓ نے جب مجلس قریش میں اپنے قبول اسلام کا اعلان و اظہار کیا تو ان کو خوب زدو کوب کیا گیا، اسی دوران انکی زبان مبارک سے یہ جملہ نکلا "افعلوا ما بدا لکم فاحلف باللّٰہ ان لو قد کنا ثلاث مئۃ رجل (لقد) ترکنا ھا لکم او ترکتموھا لنا ..." جو تمہارا جی چاہے کرو۔ اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تین سو مردان کار ہو گئے تو یا ہم اس کو (مکہ کو) تمہارے لیے چھوڑ دیں گے یا تم اس کو ہمارے لیے خالی کر دو گے۔ ..."

عرب ضرب الامثال کے آئینہ میں

از ڈاکٹر منظور احمد خان، کشمیر

عربی زبان وادب کی تاریخ سولہ صدیوں سے زائد کی مدت پر محیط ہے۔ شروع شروع میں عربی زبان صرف جزیرہ نمائے عرب میں ہی بولی جاتی تھی، لیکن ظہور اسلام کے بعد یہ اسی برق رفتاری سے جزیرہ کے قرب وجوار اور پورے شمالی افریقہ میں پھیل گئی، جس برق رفتاری سے خود اسلام ان ممالک میں پھیل گیا۔ عربوں کو ابتدا ہی سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنے قادر الکلام ہونے پر فخر حاصل رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بقیہ دنیا کو "عجم" یا گونگا کہا کرتے ہیں۔ گو عربوں کا یہ خیال تعصب پر مبنی ہے، تاہم عربی زبان کی فصاحت وبلاغت، اس کا انوکھا پیرایۂ بیان، اس کے افعال کی ندرت اوزان، اس کے مشتقات کی خوبصورتی اور اس کا غیر عربی الفاظ کو بڑی مہارت سے عربی قالب میں ڈھالنا اس کے کچھ ایسے مابہ الامتیازات ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ نے کئی دوسرے وجوہ کے ساتھ ساتھ اس سبب کی وجہ سے بھی اپنے پیغام کو اسی زبان میں بھیجا۔

عربی ضرب الامثال اور محاورے عربوں کے صدیوں کے تجربات اور مشاہدات کا ثمرہ ہیں۔ یہ تجربات انہیں جزیرے کے تپتے صحراؤں سے لے کر شام ولبنان کی حسین وجمیل وادیوں اور یمن وامارات کے اتھاہ گہرے سمندروں سے لے کر مصر وعراق کے مشہور ومعروف دریاؤں میں عمر فانی کے شب وروز گزار کر خود اپنے ہم قوم لوگوں اور غیر قومی

لوگوں کے ساتھ رہ کر حاصل ہوئے۔ ان امثال ومحاوروں کو اگر تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو عربوں کا تمدن وثقافت، ان کی نفسیات اور ماحول کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اسی بات کے پیش نظر زیر بحث مقالہ کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) صحرائی زندگی اور دور جاہلیت (۲) عربوں کے ماحولیاتی مشاہدات (۳) عرب اور اسلام (۴) تاریخی حوالے (۵) فصاحت وبلاغت (۶) دانائی وحکمت (۷) بذلہ سنجی (۸) امثال ومحاوروں کا آفاقی پہلو۔

۱۔ صحرائی زندگی اور دور جاہلیت یہ بات تاریخی اعتبار سے بالکل واضح اور بین ہے کہ عرب اسلام سے قبل قتل وغارت گری کے نہایت خوگر تھے۔ ان کے یہاں سے امن وامان مفقود ہوگیا تھا۔ وہ نہایت معمولی باتوں پر سالہا سال تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے اور جنگ وجدال کو معیوب سمجھنے کے بجائے اس پر فخر محسوس کرتے تھے۔ درج ذیل امثال اوپر بیان کردہ حقائق کی آئینہ دار ہیں۔

۱۔ الروم اذا لم تغز غزت (اگر رومیوں پر کوئی حملہ نہیں کرتا تو وہ خود کسی پر حملہ آور ہوتے ہیں) ۲۔ أشأم من البسوس (بسوس سے زیادہ بدشگون)۔ بسوس ایک خاتون کا نام ہے جس کی سراب نامی اونٹنی ایک دن اس کے حریف کی چراگاہ میں چلی گئی، اس قبیلہ کے کلیب نامی سردار نے جب اسے دیکھا تو اس کے تھن پر تیر برسائے اونٹنی فوراً اپنے مالکن کے دیار کی طرف بھاگ گئی اور صحن میں انتہائی درد والم میں تھن سے خون اور دودھ ایک ساتھ بہاتے ہوئے بیٹھ گئی۔ اس بات پر دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی جو چالیس سال تک چلتی رہی اور جس میں دونوں فریقین کی کثیر تعداد لقمۂ اجل بن گئی۔ ۳۔ بینهم عطر منشم[1] (ان کے درمیان منشم کی عطر ہے) یہ منشم ایک

[1] المیدانی (ابو الفضل احمد بن محمد النیسابوری) مجمع الامثال، ج ۱/ ۱۲۷، ۳۲۷، ۵۲۱۔

خاتون عطارہ تھی جس کا عطر خزاعہ اور جرہم نامی دو قبائل جنگ سے پہلے یہ مان کر لگاتے کہ اس کے لگانے سے دشمن کے مقتولین کے ڈھیر لگتے ہیں۔

جنگ وجدال کے اس ماحول میں صرف بہادر، نڈر اور بے خوف نفوس ہی سر اٹھا کر زندہ رہ سکتے تھے، بزدلوں اور نکموں کی نہ صرف کوئی وقعت نہیں تھی بلکہ انہیں انتہائی حقارت وذلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مثلاً بزدل کے بارے میں کہا گیا ہے: ان الجبان حتفہ من فوقہ، اس کا ترجمہ علامہ اقبالؒ کے اس مصرعے سے کیا جا سکتا ہے:

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات۔

بزدل کی نفسیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "عصا الجبان أطول" اور "جبان مایلوی علی الصفیر"[1] یعنی بزدل کی لاٹھی لمبی ہوتی ہے اور بزدل کبھی سیٹی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ لمبی لاٹھی کا سہارا تو وہی لے گا جسے اپنے بازوؤں پر بھروسہ نہ ہو اور بھلا بزدل اور للکار کا آپس میں کیا تعلق؟

کوئی انسان یا انسانی گروہ چاہے کتنا ہی نڈر اور بہادر کیوں نہ ہو، وہ دوسروں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس نفسیاتی وعملی حالت کو شدید دوستی کا نام دیا گیا ہے۔ تاہم عرب اکثر وبیشتر اس رشتے کو بھائی چارے سے موسوم کرتے ہیں جس سے انکے ہاں اس کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی بات کے پیش نظر وہ کہتے ہیں: "رب أخ لم تلدہ أمک"[2] (تمہارے کتنے ہی ایسے بھائی ہیں جنہیں تمہاری ماں نے نہیں جنا ہے) عرب چونکہ بدوی یا خالص دیہی ماحول سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان کی طبیعت اور تکلف میں مشرق ومغرب کا بعد ہے اور اگر یہ بے تکلفی عام لوگوں سے برتی جا رہی

[1] المیدانی (ابو الفضل احمد بن محمد النیسابوری) مجمع الامثال، ج ۱/ ۱۸، ۲۴۱، ۲۴۲، ۶۴۲ [2] ایضاً: ص ۱۹۶، مطبع خیریہ ۱۳۱۰ھ۔

ہو تو بھلا ایک دوست کے ساتھ کیوں نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں مشہور ہے: "اذا ترضیت أخاك فلا أخا لك" (اگر تو اپنے بھائی کو خوش کرنے میں لگا ہے تب وہ تمہارا بھائی ہی نہیں ہے) اس بے تکلفی کو کھونا تو درکنار، بلکہ اسے کھونے کا خیال تک لانا ہاں محال ہے۔ ان کا کہنا ہے: "حافظ علی الصدیق ولو فی الحریق"[1] (دوست کی حفاظت کر، گرچہ وہ آگ میں گھرا ہو)۔

جاہلی عربوں کا مسکن بنیادی طور پر جزیرہ عربیہ کے بیکراں صحرا ہیں، جہاں بود و باش انتہائی مشکل اور سفر بسا اوقات جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔ ایسے ماحول میں اگر وہاں کے باشندے باہم جود وسخا کا مظاہرہ نہیں کرتے تو ان کی مجموعی بقا متزلزل ہوتی، بالخصوص جب وہ قبیلوں کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اجتماعی ہجرت کے خوگر تھے۔ نتیجتاً تمام عرب سخاوت اور فیاضی برتنے پر فخر محسوس کرتے اور بخیل کو گری ہوئی نظر سے دیکھتے تھے۔ چونکہ جود وسخا ان کی حسن معاشرت کا جزء لاینفک اور ان کے اخلاق کی کسوٹی تھی، اسی لیے شاید انہوں نے اس کی ترغیب کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جبکہ بخیل کو طرح طرح کے طعنوں اور تشنوں کا نشانہ بنایا گیا۔ پس اگر کوئی کسی کی ضیافت کرنے سے قاصر ہوتا تو وہ کہتا: "بیتی یبخل لا أنا" (میرا گھر بخل برت رہا ہے، میں نہیں)۔ بخیل کے بارے میں کہا جاتا: "سواء هو والعدم" (اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر) اور "دمعة من عوراء غنیمة باردة" (کانی عورت کا آنسو ٹھنڈے مالِ غنیمت کے مترادف ہے)۔ بخیل کی نفسیات کا پتہ مندرجہ ذیل امثال سے چلتا ہے: "اذا قلت لہ زن، طأطأ راسہ وحزن" (جب تو اس سے کچھ مانگتا ہے تو وہ

[1] المیدانی، ج ۱، ص ۱۳۷۔

غم کے مارے اپنا سر جھکاتا ہے) اور "تشتهی وتشتکی"[1] (چت بھی میرا اور پٹ بھی میرا)

۲۔ عربوں کے ماحولیاتی مشاہدات صحرا میں عربوں کو جہاں اونٹ اور کتے کی رفاقت میسر آکر ان کی بود و باش قدرے آسان ہوئی، وہیں انہیں بھیڑیے جیسے انتہائی مضرت رساں[1] جانور سے بھی واسطہ پڑا۔ نیز ان کے مشاہدہ میں بلی جیسا چھوٹا گوہ نامی صحرائی جانور آیا، جسے انہوں نے کبھی غائب دماغی پہ محمول کیا، کبھی طویل العمری میں بطور مثال پیش کیا، تو کبھی حد درجہ کی قوت سماعت میں[2]

قرون اولیٰ کے مخدوش سیاسی اور سماجی حالات نے عرب و عجم میں انسانوں کی خرید و فروخت کی بدعت کو جنم دیا اور عرب صحرا نورد اس ظلم و بربریت میں پیش پیش تھے۔ نتیجتاً ہر قبیلہ کے پاس کئی کئی غلام و لونڈیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہ غلام چونکہ کسی بھی طرح اپنی مرضی کے مالک نہیں ہوا کرتے تھے، اس لیے ان کے آقا ان سے جو کام چاہتے لیتے تھے۔ تاہم غلاموں کی جنسی شرارت سے بچنے کے لیے عرب انہیں آختہ کیا کرتے تھے جن کی نفسیات عورتوں کی نفسیات جیسی ہوتی تھی۔ ان کی زنانہ نفسیات کی عکاسی یہ محاورہ کرتا ہے: "اسرع من دمعة الخصی"[3] (خصی کے آنسوؤں سے تیز تر) بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی نفس دبانے سے نہیں دبتا بلکہ اس میں انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی کچھ ان غلاموں کے ساتھ بھی ہوا جو ان کے تعلق سے مشہور رہا کہ "کل عبد ان جاع سرق، وان شبع فسق"۔[4] (ہر غلام بھوکا ہونے پر چوری کرتا ہے اور بھرا پیٹ ہونے پر برائی)

---

[1] المیدانی: ۱/ ۸۵، ۱۲۶، ۱۹۶، ۲۷۵، ۲۷۴ [2] ایضاً: ۳۰۴، ۴۹۷، ۶۸۳ [3] ایضاً: ۳۹۷ [4] -BURCKHART, ARABIC PROVERBS. P. 203.

اونٹ نہ صرف عربوں کے لیے صحرائی جہاز کا کام دیتا تھا بلکہ وہ ان کی مالی خوشحالی و آسودگی کا بین مظہر بھی تھا۔ لہٰذا اگر کسی پر برے دن آتے تو وہ اسے یوں تعبیر کرتے تھے: "العنون بعد النوق" (فلاں کے پاس اونٹوں کے بعد بھیڑیں آئی ہیں)۔

اونٹ کی عمر کے مختلف ادوار کو مندرجہ ذیل امثال و محاوروں میں ثبت کیا گیا ہے:

(۱) أتعب من راکب فسیل (غیر سدھائے ہوئے اونٹ سے زیادہ تھکانے والا)۔

(۲) أحن من شارف (عمر رسیدہ ماں اونٹنی سے زیادہ شفیق) اور (۳) اذا جاء اجل البعیر حام حول البئر[1] (جب اونٹ کی موت آتی ہے تو وہ کوئیں کے ارد گرد چکر لگاتا ہے)۔

کتے کو جہاں فرمانبرداری، شکر گذاری، فرض شناسی اور الفت کی مثال قرار دیا گیا ہے، وہیں اسے حرص و طمع[2] اور کج طبعی کا نمونہ بھی بنایا گیا ہے[3] نیز اسے متضاد حرکتوں کے صدور کا قصوروار ٹھہرا کر انعام و تعذیب کا مستحق گردانا گیا ہے[4]

بھیڑیا عربوں کے نزدیک نہایت ہی حیلہ گر، غدار، ظالم محتاط، بھوکا اور صحت مند ہے۔[5] اس کی کامل صحت مندی کو دیکھتے ہوئے وہ اگر کسی کو ہلاک ہونے کی بددعا دینا چاہیں تو کہتے ہیں: رماہ اللہ بداء الذئب[6] (اللہ اسے بھیڑیے کی بیماری یعنی موت سے دوچار کرے)۔

۳۔ عرب اور اسلام اسلام نے جہاں منکرات سے دوچار انسانیت کو نئی زندگی بخشی،

---

[1] المیدانی: ۱/ ۱۱۹، ۲۰۶، ۳۱۷، ۶۳۵ [2] ایضاً: ۱۱۸، ۳۱۷، ۳۱۸، ۵۳۹، ۶۱۰ [3] BURCKHART, P. 91. [4] ذنب الکلب یکسبہ الطعم و فمہ یکسبہ الضرب، المیدانی: ۱/ ۲۹۸ [5] ایضاً: ۲۵۸، ۳/۴، ۳۱۷، ۳۵۹ [6] ایضاً: ۳۰۲۔

وہیں ان گمنام عربوں کو وہ شان و شوکت عطا کی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ عرب اس وقت کی دو عالمی طاقتوں فارس اور روم کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج کا کام دیتے تھے۔ تاہم کسی دوسری قوم پر اپنا اثر و نفوذ ڈالنا تو درکنار، قریب تھا کہ یہ لوگ طیش اور جہالت میں آپس ہی میں لڑ کر کٹ مرتے۔ اسلام نے نہ صرف انہیں سیاسی اعتبار سے متحد کیا بلکہ زندگی کے باریک سے باریک تر مسئلے کے سلسلے میں ایک منفرد زاویۂ نظر عطا کیا۔ اسلام کے دو ترجمان قرآن و حدیث نے ان کی زندگی پر اتنے گہرے نقوش چھوڑے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے، ہر حال میں ان کے فقرے استشہاداً دہرانے لگے۔ قرآن و حدیث کی اس تاثیر کو ہم تین عنوانات کے تحت بیان کریں گے۔ (۱) قرآنی آیات سے استشہاد (۲) احادیث نبویہ سے استشہاد اور (۳) اسلامی تصورات فکر و عمل۔

قرآن پاک کی بے شمار آیات مبارکہ ایسی ہیں جنھیں عرب بطور مثل پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ یوسف کی ۲۶ ویں آیت کا یہ حصہ نسلی اور گروہی وابستگیوں کے باوجود اعتراف حق کے لیے پیش کیا جاتا ہے: وشهد شاهد من أهلها (اور خود زلیخا کے افراد خانہ میں سے ایک فرد نے شہادت دی) حیرت اور ششدر رہن کے لیے سورۂ الاعراف کی ۱۴۹ ویں آیت کا یہ حصہ دہرایا جاتا ہے: "سقط فی یدہ"۔

شاید قرآن پاک کا اسلوب خطابی ہونے اور حدیث نبویؐ کا عام بول چال سے قریب ہونے کی بنا پر احادیث قرآنی آیات کی نسبت امثال و محاوروں میں زیادہ استعمال کی جانے لگیں۔ تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ احادیث کے متن میں کہیں جزوی تبدیلی کی گئی ہے اور کہیں پورے کے پورے الفاظ بدل دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر حسن معاشرت

کے سلسلے میں درج ذیل احادیث کو عام رواج ملا: (۱) أخوك من صدقك النصيحة (تمہارا بھائی وہ ہے جو تمہارا خیر خواہ ہو) (۲) لا يشكر الله من لا يشكر الناس (جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہے وہ بھلا اللہ کا شکر گزار کیسے ہو سکتا ہے۔) (۳) خيارکم خيرکم لأهله (تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہو) (۴) الدال على الخير كفاعله (نیکی کی ترغیب دینا نیکی کرنے کے برابر ہے) (۵) السر أمانة (راز ایک طرح کی امانت ہے) اور (۶) الجالب مرزوق والمحتكر ملعون[1] (اشیائے مایحتاج کا فراہم کنندہ پسندیدہ ہے، جبکہ ذخیرہ اندوز ملعون ہے)۔

قرآن و حدیث کے علاوہ فکر و عمل کے چند اسلامی تصورات بھی عربی کہاوتوں اور محاوروں کا حصہ بنے جو عربوں کی اسلام سے گہری وابستگی اور اسلامی زندگی کے غماز ہیں مثلاً قرآن کی پہلی سورت جو دوران نماز ہر رکعت کی ابتدا میں پڑھی جاتی ہے، ہر کام کے شروع کے لیے مجازاً بولی جاتی ہے۔ پوری کہاوت یوں ہے: اذا نسيت الحمد تصلى بالیش (اگر تو الحمد ہی بھول گیا تو تمہاری نماز کیسے ہوگی؟) اسی طرح اسلام کے تصورِ حلال و حرام اور زکوٰۃ کو لیجیے۔ حلال ترین شئے کے بارے میں عربوں میں مشہور ہے کہ: "أحل من لبن الأم" (ماں کے دودھ سے بھی زیادہ حلال)۔

زکوٰۃ مال اور دل کی تطہیر کا دوسرا نام ہے اور ہر صاحبِ نصاب سچا مسلمان اسے باعثِ شرف و سعادت سمجھتا ہے۔ تاہم سبھی طرح کے اموال پر زکوٰۃ لازم نہیں آتی ہے۔

---

[1] المیدانی: ۱/۳۴، ۲۶۴، ۳۴۶، ۳۷۲، ۱۴۶۶ اور BURCKHART, P. 212.

[2] BURCKHART, P. 4. [3] المیدانی: ۱/۳۱۸۔

اسی لیے وہ مال جس کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے، عربوں کے نزدیک بدترین مال ہے۔ ان کا کہنا ہے: شرالمال مالا یزکی ولا یذکی۔ [1]

تاریخی حوالے عربی امثال و محاورے نہ صرف دینی اور معاشرتی تبدیلیوں کے شاہد ہیں بلکہ ان میں مختلف تاریخی واقعات کو بھی نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ واقعات جاہلی شخصیات، انبیاء علیہم السلام، قرآنی شخصیات، صحابہ و صحابیات اور خلفاء و امراء سے متعلق ہیں۔ جاہلی شخصیات میں حاتم طائی کا نام جود و سخا میں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے جبکہ قس بن ساعدۃ فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے۔ انبیائے کرام میں حضرت نوحؑ کے کوے کو دیر لگانے میں، قوم ثمود کے گستاخ شخص کو بدشگونی میں، حضرت خضر کو متواتر سفر کرنے میں اور حضرت یوسف کے بھائیوں کو غداری میں مشتبہ بہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآنی شخصیات میں جُلندی نامی بادشاہ کو جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں کشتی بانوں کو زبردستی بیگار پر لیتا تھا، ظلم کی مثال اور ابولہب کی بیوی ام جمیل کو تباہی و بربادی کا سرچشمہ بتایا گیا ہے۔ [2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جب ابن ملجم نے تلوار سے حملہ کیا تو حضرت نے افسردگی میں فرمایا: "أرید حباءہ، و یرید قتلی (میں اسے بخشش سے نوازنا چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہے) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جب حجاج بن یوسف نے حرم کعبہ میں محبوس کرکے جنگ پر مجبور کیا تو آپ نے لڑائی پر چل پڑنے سے پہلے اپنی والدہ سے

[1] رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیس فی الجبھۃ (الخیل) ولا فی الکسعۃ (الحمیر) ولا فی النخۃ (الرقیق) صدقۃ۔ دیکھو المیدانی: ۱/۵۰۳ [2] المیدانی: ۱/۱۶۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۳۶۲، ۴۹۷، ۵۲۸، ۲/۲۰۰۔

اجازت لینے کی غرض سے ملاقات کی۔ دوران ملاقات انہوں نے حجاج کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد اپنی لاش کے ساتھ زیادتی کیے جانے کے احتمال کا ذکر کیا، اس پر بہادر والدہ نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا: الشاۃ المذبوحۃ لا تألم السلخ [1] (ذبح شدہ بکری کھال کھینچے جانے کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتی ہے)، مذکورہ دونوں فقرے بعد میں زبان زد خاص و عام ہوئے۔

اموی خلفاء چونکہ خالص عربی النسل تھے، اس لیے ان کی زبان عباسی خلفاء کے مقابلے میں زیادہ فصیح و بلیغ تھی۔ ان کے کئی فقرے عام کہاوتوں کا درجہ حاصل کر گئے۔ مثلاً حضرت معاویہؓ نے جب یہ سنا کہ حضرت علیؓ کے مصر کے نامزد گورنر اشتر نخعی زہریلے شہد کے سبب لقمۂ اجل بن گئے تو انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ان للہ جنوداً فیھا العسل (اللہ تعالیٰ کی کئی طرح کی فوج ہے جس میں شہد بھی ہے)، ان کا یہ فقرہ بعد میں دشمن کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر اظہار خوشی کے لیے ہر خاص و عام میں مقبول ہوا۔ اسی طرح حجاج کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اہل واسط کو تعمیراتی کاموں کیلئے بیگار پہ لیا کرتا تھا اور واسطی بیگانہ بن کر مسجد میں اجنبیوں کے درمیان سویا کرتے تھے۔ تاہم سپاہی ان کی تلاش میں نکل کر مسجد میں داخل ہو کر "اے واسطی" پکارا کرتے تھے۔ اور جو شخص بھی سر اٹھاتا اسے وہ پکڑ لے جاتے تھے لہٰذا ہر واسطی انجان بنتا تھا اور اسی لیے یہ فقرہ مشہور ہوا: تغافل کأنک واسطی۔ [2] (ایسا انجان بن گویا تو واسطی ہے)۔

ہر چند کہ یہود کو جزیرہ نمائے عرب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک

[1] المیدانی: ۴۲۷، ۵۴۴۔

میں بے دخل کیا گیا، پھر بھی وہ شام و فلسطین اور مصر و عراق میں اپنی بود و باش جاری رکھے رہے۔ یہودیوں کے تعلق سے مشہور ہے کہ وہ تاجرانہ ذہنیت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی خود غرض اور لالچی ہوا کرتے ہیں۔ درج ذیل کہاوتوں میں ان کی اسی نفسیات کی عکاسی کی گئی ہے، (۱) اذا افتقر الیهودی نظر فی حسابه العتیق (جب یہودی پر برے دن آتے ہیں تو وہ پرانے کھاتوں کو ٹٹولتا ہے) اور (۲) اصاب الیهودی لحما رخیصاً فقال هذا منتن[1] جب یہودی کے ہاتھوں سستا گوشت آیا تو اس نے کہا کہ وہ بدبودار ہے)

۵۔ فصاحت و بلاغت | امثال و محاورے بجائے خود ہی اختصار و ایجاز کے اعتبار سے ایک اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فصاحت و بلاغت کے چند اور پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جائے۔ ہر زبان کی طرح عربی زبان میں بھی تشبیہات کو ایک خاص مقام حاصل ہے جو نہ صرف عربوں کی زندگی کے غائر فہم و ادراک پر دلالت کرتی ہیں بلکہ ان کے ماحولیاتی مشاہدات کی بھی غماز ہیں۔ مثلاً سلامتی میں مکے کا کبوتر بطور مثال پیش کیا جاتا ہے، بینائی میں دوران شب چمگادڑ، پائداری میں پتھر پر ثبت عبارت، جرات میں مکھی، نفع یابی میں بروقت بارش، ہلکے پن میں تتلی، سستے پن میں مٹی، یا بسرے کی کھجور، کبر و غرور میں کوا یا مور، ستھرے پن میں شہد، صبر و شکیب میں گدھا یا زمین، پیاس میں ریت، عدل و انصاف میں ترازو، گہرائی میں سمندر اور نایابی میں کبھی تریاق تو کبھی نامرد کا بیٹا اور کبھی مچھر کا دماغ تو کبھی اڑتا عقاب[2]

[1] المیدانی: ۱/۱۲۹، ۸۰۵ [2] ایضاً: ۱۱۸، ۱۵۷، ۱۶۲، ۲۵۱، ۲۶۲، ۳۵۲، ۴۴۳، ۴۵۹، ۵۲۱، ۵۶۰، ۶۲۱، ۶۹۱، ۶۸۹۔

تشبیہات سے بھی بڑھ کر مجاز کی ایک شکل کنایہ ہے، زبان و بیان کی گہرائی و گیرائی میں اس کا نمایاں حصہ ہے۔ مثلاً بزدلی کو یوں تعبیر کیا جاتا ہے: اشبه فلان امه (فلاں نے اپنی ماں کی صفات پائی ہیں) بدنصیبی کے لیے بولا جاتا ہے: لو اتجرت فی الاکفان ما مات احد (اگر میں کفن کی تجارت شروع کردوں تو لوگ مرنا بند کریں گے) کسی کے عجز و قصور اور ضعیفی کو نہایت ہی خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے: ذهب منه الاطیبان (وہ لذت طعام اور لذت نکاح سے محروم ہو گیا)۔ درازی عمر کو یوں تعبیر کیا گیا ہے: نشأ مع نوح فی السفینة[1] (وہ حضرت نوح کی کشتی میں نشو و نما پایا ہے)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کہتے ہیں کہ مجھے عربی میں گدگدی کا لفظ معلوم نہیں تھا، یہاں تک کہ ایک دن میں عربوں کی کسی مجلس میں بیٹھا تھا اور وہاں بے حسی پر بات ہو رہی تھی کہ اتنے میں کسی نے یہ مثال دہرائی: یدغدغ فی الصباح و یضحک فی المساء (کسی کو صبح میں گدگدی کی جائے اور وہ شام کو ہنسے)۔ مجبوری کی اس سے زیادہ اور کیا حسین تعبیر ہو سکتی ہے کہ "ضحک الجوزة بین حجرین" (دو پتھروں کے درمیان اخروٹ کی ہنسی)۔ کساد بازاری کو اسلامی تصور جنت سے کنایۃً یوں تعبیر کیا گیا ہے: سوقنا سوق الجنة (ہمارا بازار تو جنت کا بازار ہے) تجربہ کار شخص ہمیشہ دوسروں کے صلح مشورے سے بے نیاز ہوتا ہے، اس خیال کو یوں بیان کیا گیا ہے: ان العوان لا تعلم الخمرة (ادھیڑ عمر والی عورت کو دوپٹہ باندھنا نہیں سکھایا جاتا ہے) عورت کو طلاق دیتے وقت نہایت ہی خوبصورت انداز میں یہ کہتے ہوئے رخصت

[1] المیدانی: ۳۹۱، ۵۱۷ اور BURCKHART, PP. 209, 244.

کیا جاتا ہے۔ حبلك علی غاربك[۱] (تمہاری رسی تمہارے کوہان پہ ہے یا تمہاری رسی ڈھیلی ہے)۔

۶۔ دانائی وحکمت | عربوں کو جزیرہ عربیہ میں انتہائی ناموافق و نامساعد حالات سے دوچار ہونے پر زندگی کی تلخیوں کا راست تجربہ ہوا، آگے چل کر یہی تجربے اور مشاہدے امثال ومحاورں کی صورت میں ان کی زبان پر رواں ہوئے۔ ان کی اس دنیا بینی اور حکمت سنجی میں اس وقت چار چاند لگ گئے جب مطلق رشد وہدایت کے ابدی سرچشمے نے ان کے دل و دماغ پر قرآن وحدیث کی صورت میں حکومت کرنی شروع کی۔ لہذا حکمت و دانائی پر مبنی ان کے اقوال اکثر اوقات انہی دو پہلوؤں پر محیط نظر آتے ہیں۔ دورِ جاہلیت کے مشاہدات درج ذیل اقوال میں پائے جاتے ہیں: (۱) اول الشجرة النواة (پیڑ کی ابتدا گٹھلی سے ہوتی ہے)، (۲) بعد الدار کبعد النسب (گھر کی دوری حسب ونسب کی دوری کی مانند ہے)۔ (۳) تضرع الی الطبیب قبل ان تمرض (ضرورت سے پہلے ہی دوستوں کا انتخاب کر) (۴) دل علی عاقل اختیارہ (حسن انتخاب عقلمندی کی نشانی ہے) (۵) رضا الناس غایۃ لا تدرک (لوگوں کی رضامندی کبھی حاصل نہیں ہوتی ہے) (۶) السفر میزان القوم[۲] (سفر مسافرین کے اخلاق کی کسوٹی ہے)۔

اسلامی فلسفۂ حیات پر مندرجۂ ذیل اقوال سے روشنی پڑتی ہے (۱) رای الشیخ خیر من مشهد الغلام (بزرگ کی رائے نوجوان کے مشاہدے سے بہتر ہے) (۲) الجهل موت الاحیاء (جہالت زندوں کی موت ہے) (۳) فاصح الاحمق عدوہ (بیوقوف کا

---

[۱] المیدانی: ۱/۲۰۱، ۲۷۳، ۳۹۹، ۵۹۲ [۲] ایضاً: ۸۱، ۱۳۷، ۱۹۹، ۳۸۱، ۳۲۰،

بہی خواہ اس کا دشمن ہے) (۴) راس الخطایا الحرص والغضب (گناہوں کی انتہا لالچ اور غصہ ہے) (۵) الصبر مفتاح الفرج (صبر مسرت وشادمانی کی کنجی ہے) (۶) التدبیر نصف المعیشة (حسن تدبیر آدھی کمائی ہے) (۷) القناعة فی الكف امان من الفقر (ہنر افلاس سے نجات کی ضمانت ہے) (۸) طول اللسان یقصر الاجل (زبان درازی عمر کو تاہ کرتی ہے) (۹) الصمت یکسب اهله المحبة[۱] (خموشی سے محبت پروان چڑھتی ہے۔)

۷۔ بذلہ سنجی | بذلہ سنجی میں عرب کسی قوم سے پیچھے نہیں ہیں اور ان کے ہاں جحا نامی ایک مستقل کردار ہے جس سے ہمارے ہاں کے سردار جی کی طرح ہر لطیفہ منسوب کیا جاتا ہے۔ جحا کا پورا نام مولوی نصر الدین ہے جو نہ صرف عربوں کے ہاں بلکہ پورے وسط ایشیا میں مقبولِ عام ہے۔ کچھ سال پہلے ٹیلی ویژن سے ملّا نصر الدین نامی سیریل ٹیلی کاسٹ ہوا تھا شاید روسی زبان سے ترجمہ کیا گیا تھا۔ عرب اگر کسی کو پرلے درجے کا بیوقوف کہنا چاہیں تو وہ کہتے ہیں: هو احمق من جحا[۲] (وہ جحا سے بھی بڑھ کر بیوقوف ہے) جحا کے چغد ہونے کی بھی دلچسپ کہانی ہے، کہتے ہیں کہ وہ ایک دن کوفہ کے مضافات میں زمین کھود رہا تھا کہ عیسیٰ بن موسیٰ نامی شخص کا وہاں سے گزر ہوا۔ جب اس نے اسے زمین کھودتے ہوئے دیکھا تو اس کی وجہ پوچھی۔ حضرت جحا کہنے لگے کہ اس نے کچھ عرصہ پہلے وہاں اشرفیاں دفن کی تھیں جو اسے اب نہیں مل رہی ہیں۔ عیسیٰ نے پوچھا کہ آیا اس نے اشرفیوں کی جگہ کوئی نشانی چھوڑی ہے؟ جحا نے اثبات میں جواب دیا۔ عیسیٰ نے وضاحتاً پوچھا کہ وہ نشانی کیا تھی؟ جحا نے کہا کہ

---

[۱] المیدانی: ۱/۲۰۸، ۲۶۵، ۴۰۹، ۵۵۷، ۵۷۶، ۶۱۲، اور BURCKHART, P. 242. [۲] المیدانی: ۱/۳۱۱۔

آسمان پر ایک بادل تھا جو انہیں سایہ کر رہا تھا، لیکن وہ اب نظر نہیں آرہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا اشعب نامی ایک غلام تھا۔ یہ اشعب حرص وطمع میں شہرت کے تمام ریکارڈ توڑ گیا۔ ایک دن کسی نے اس سے اس کی حرص کی شدت کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ جب بھی میں جنازے میں شریک لوگوں میں دو افراد کو سرگوشی کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے گمان گزرتا ہے کہ شاید میت نے اپنے مال میں سے کچھ حصہ مجھے دیے جانے کی وصیت کی ہے اور جب میں کسی کو جیب میں ہاتھ ڈالتے دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ وہ مجھے کچھ دینے والا ہے۔ کسی اور شخص نے جب اس سے یہی سوال کیا تو اس کا جواب تھا کہ مدینے میں جب بھی کسی خاتون کی شادی ہوتی ہے تو میں اپنے گھر کی صفائی اس امید سے کرتا ہوں کہ شاید اسے غلطی سے میرے گھر لایا جائے۔ نتیجتاً "اطمع من اشعب"[1] (اشعب سے زیادہ حریص) محاورہ زبان زد خاص وعام ہوا۔

نیز اگر عرب کسی کا مذاق اڑانا چاہیں تو اسے مونث کے صیغے سے مخاطب کرتے ہیں مثلاً اگر کوئی متکبر شخص کسی مشکل کام کے اپنے بس میں ہونے کا دعوی کرے تو اس پر مزاح کا نشانہ بنایا جاتا ہے: "ان کنت حبلی فلدی غلاما" (اگر تو حاملہ ہے تو پھر لڑکا جنو) اگر کوئی معاملات کی مہار اپنے ہاتھ میں ہونے کا دعوی کرے تو اس پر مزاح کا یہ تیر برسایا جاتا ہے: "انت الامیر فطلقی او راجعی" (اے خاتون! تو خود حکم ہے، تو چاہے تو طلاق دے اور چاہے تو رجوع کرے) اور اگر کوئی بزرگ طفلانہ حرکتوں کا مرتکب پایا گیا تو اس کے لیے یہ مثل بولا جاتا ہے: جدۃ تقضی العدۃ[2] (دادی عدت کے دن گزار رہی ہے)۔

---

[1] المیدانی: ۱/۶۰۰ [2] ایضاً: ۳/۰۵، ۲۶۴۔

۸۔ امثال ومحاوروں کا آفاقی پہلو اب تک عربی امثال ومحاوروں کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں ان میں ایک ایسا آفاقی عنصر جھلکتا ہے کہ ہر قدم پر انسان کی فکری یکجہتی کا تصور مضبوط تر ہوتا چلا جارہا ہے اور ان کی ایک بڑی تعداد اردو، انگریزی اور کشمیری امثال ومحاوروں کی عکس معلوم ہوتی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے صرف کشمیری امثال ومحاوروں کا دو عنوانات کے تحت ذکر کیا جاتا ہے: (۱) لفظ ومعنی دونوں میں مطابقت (۲) صرف معنی میں مطابقت۔

(۱) لفظ ومعنی میں مطابقت ۱۔ اُنہ ٹھلہ سیود گژھنہ (ربما اصاب الاعمی رشدہ، م: ۴۲۹)

۲۔ بے پیمانس کیاہ نیہ شیطان (الشیطان لا یخرب کرمہ، م: ۵۴۴)

۳۔ حرکتھ کر تہٕ برکتھ کرُی (۱ لحرکۃ برکۃ، م: ۳۳۱)

۴۔ دوبنس دژہ ها، دوبنس پھوکھ چُھس چونیہ (تطلق النار وتصیح الحریق، ب: ۵۱)

۵۔ گاڈہٕ چھہ آبہٕ منزیہ ترلشہ هوند ارمان (اظمأ من الحوت، م: ۶۲۱)

۶۔ گیہ بوتھہٕ رامہٕ هون (ذئب استنجع، م: ۳۹۸)

۷۔ گور بن لاجیکھ نعل تہٕ خر آیے پڈر دأرتھ (جاؤا لینعلوا خیل الباشا، فمدت الخنفسۃ رجلها، ب ۵۸)

۸۔ لوکہ هند بس ورنش اُڈیہ نبندُر (ثوب العاریۃ ما یدفی، ب: ۵۴)

۹۔ بکھہٕ پیٹھوک شورہٕ (ابنہ علی کتفہ وهو یطلبہ، م: ۱۶۵)

۱۰- نیکو نیک کرِبد لگہِ پانیہ (دار الظالم خراب، ب : ۸۲)

۱۱- ھونہِ لوٹہ بریا کمرِ قند یلس شُہ داریا و تتہِ تہِ ھونہِ لوٹیہ (ذنب الکلب عمرہ مایستقیم، ب : ۹۱)

۱۲- یۆتاہ ورِوت آسہ تیوتیہ گۆھ خورِ وھراون (مد رجلك علی قدر الکساء، م : ۶۰۲)

۱۳- یہ شریکہ ونہِ تہِ گٔرٔھہ نہ کس ون، یہِ سُہِ کرِہ تی گٔرٔھہ کرون (جارك معلمك، ب : ۶۰)

(۲) صرف معنی میں مطابقت | ۱- ابِن ھنزہِ ماجہ نیہ پرسن، تروکن ھنٗدہ گرہِ کتھ کمن (رزق الکلاب علی المجانین، ب : ۹۳)

۲- اکہ وکور بیہ تکور (ظرطت فلطمت عین زوجھا، م : ۵۹۲)

۳- أنس مش ھاوٗنہ نہِ گناہ نہِ ثواب (تقرأ الزبور علی اھل القبور، ب : ۵۲)

۴- بیہِ رُشہ آشنہ (بینھم داء الضرائر، م : ۱۲۷)

۵- بتہِ لبجہ چھہ پٹھیہ کنہ وُچھان (خذ الکتاب من عنوانہ، ب : ۷۹)

۶- پانہِ پتھرہِ ٹینٹھ گورس (بطن جائع ووجہ مدھون، م : ۱۶۵)

۷- پلسم نتیہ ژوکی گامہ (اعجز عن الشئ من الثعلب عن العنقود، م : ۶۸۷)

۸- پئنے حجہ چھ بٔہ ترجیہ (الحجامہ بالفأس، ولا الحاجة

للناس، ب : ۱۱)

۹- پنہ نسوچھنہ پأغمبر مأنہ مٔتہ (أزھد الناس فی العالم جیرانہ، م : ۳۵۷)

۱۰- پنون عأب گومعشوکھ (الخنفسیة فی عین أمھا ملیحة، ب : ۲۰)

۱۱- پوشوکھنے تہِ ژولوکھ تہ نار (ان لم تغلب فاخلب، م : ۴۸)

۱۲- توت کھنہ سیتہ چُھہ گیگ دزان (الرشف أنقع، م : ۴۲۳)

۱۳- خوجن دو پنم پھٹہ کھیہ (الزبون یفرح بلا شئ، م : ۳۶۰)

۱۴- دمس سیتہ نمسکار (أسجد لقرد السوء فی زمانہ، ب : ۱۰۶)

۱۵- زیرِدِ لدس زیر سیتہ (اذا جاءت السنة معھا أعوانھا، م : ۹۲)

۱۶- زیادن گگراین نہ رۆد، زیادن کتھن نہ سۆد (کلب ینبح ما یعفی ب : ۱۹۳ / السنور الصیاح لا یصطاد شیئا، م : ۵۰۰)

۱۷- کاونہ کالٹول کاوہِ پۆتیہ (الحذر قبل ارسال السھم، م : ۲۸۷)

۱۸- کھرے آیہ آسہ ھے ہنے وڈہِ کاسہ ھے (خصی یفخر من زب مولاہ، م : ۳۶۴)

۱۹- کوب کٔل آسون (أذل من قرملة، م : ۳۹۶)

۲۰- گس سس مأل ژوڈہِ ہیتھ پتہِ پتہِ (خطبوھا تمنعت ترکوھا تطلعت، ب : ۳۷)

۲۱- ملس چُھ مو تھیہ مھرازہِ (تحل لہ المیتة، م : ۲۰۷)

۲۲- ملکھ ژلئن (طارت عصافیر رأسہ، م : ۵۹۷)

۲۳۔ موسں کپں و ننہ (جاء الخروف یعلم أبوه الرعی، ب: ۱۵۸)

۲۴۔ مِہ تہ خوجن ناو کڑہ (خاوی البطن و یمضغ لبان، ب: ۷۷)

۲۵۔ میا نہو زاکہہ اتھو (علی یدی دار الحدیث، م: ۶۲۹)

۲۶۔ ناو تھو دنستہ گود (اسم بلا جسم، ب: ۳۴)

۲۷۔ وُتہ ننہ بلایہ تُوتہ (اخذنی بأطیر غیری، م: ۱۰۸)

۲۸۔ ہابت یارانہ (ربما أراد الأحمق نفعك فضرك، م: ۴۳۱)

۲۹۔ ھونہ وو ران کارخا نا چلان (ایش تبالی السماء بعیاط الکلاب، ب: ۲۶)

۳۰۔ یس خداہ دِیہ، تس کُس نِیہ (حبلة ومرضعة وقد امها أربعة، ب: ۱۷)

۳۱۔ یُسیہ روچھیہ، تس نش رُچھم خدایو (سمن کلبك یأکلك، م: ۳۶۸/ علمناه الشحاتة سبقنا علی الابواب، ب: ۱۴۵)

۳۲۔ یہ مہ کرون تہ بہ کس ہ، مِہ ؤنہ توبہ کیاہ کرہ (دع امرء وما اختار، م: ۳۷۳)۔

مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امثال و محاورے عربوں کی زندگی کا دیوان ہیں۔ یہ نہ صرف ان کی ہزاروں سالہ تاریخ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں، بلکہ ان کی سیاسی و سماجی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیات کی بھی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ نیز ان سے عربی فکر و ادب کی آفاقیت کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔

ریاست ٹونک میں علوم شرقیہ اور اس کے مدارس

از جناب حکیم سید محمد احمد ٹونکی۔

نواب امیر خاں نے راجہ ہلکر سے مل کر راجپوتانہ اور مالوہ کے اکثر علاقوں پر فتح حاصل کی اور باہمی تقسیم اور رضامندی سے ۱۸۰۶ء میں ٹونک ان کے قبضہ میں آیا لیکن ٹونک کے والی اس وقت ہوئے جب ۱۸۱۷ء میں انگریزوں سے باقاعدہ معاہدہ ہوگیا، ٹونک کی ریاست پر مکمل قابض ہوجانے کے بعد انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ اہلِ علم و کمال کو ٹونک میں بسایا جائے تاکہ ریاست کی رونق بڑھے اور یہاں علم و ادب کا چرچا رہے، قدرت نے بھی ان کی مساعدت کی اور وہ ۱۸۳۴ء تک زندہ رہے یعنی معاہدہ کے بعد سترہ سال تک۔

حضرت سید احمد شہیدؒ ۱۸۱۰ء میں امیر خاں کی فوج میں بطور ایک سپاہی شامل ہوئے، ان کو انگریزوں سے معاہدہ بہت ناگوار گزرا اور وہ ٹونک چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کا اصل ہدف و نشانہ انگریزوں سے جنگ کرنا اور انہیں ہندوستان سے باہر نکالنا تھا لیکن ان کا پہلا مقابلہ سکھوں سے ہوگیا اور وہ بالاکوٹ میں ۱۸۳۱ء میں شہید ہوگئے۔

ٹونک سے قریب جے پور کی بڑی ریاست بہت پہلے یعنی ۱۸۰۳ء ہی میں ابتدائی معاہدہ کر چکی تھی۔ امیر خاں نے سب سے آخر میں معاہدہ کیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ انکی ریاست

باج گزاری اور سالانہ ٹیکس سے محفوظ رہی۔

پہلے مجھے بھی خیال تھا کہ امیر خاں نے معاہدہ کر کے کمزوری اور بزدلی دکھائی لیکن جب میں جے پور گیا اور وہاں کے راجہ بھوانی سنگھ نے مجھے اپنا تمام فارسی ریکارڈ ترجمہ کے لیے دیا،[1] اس کی وجہ سے اور مغل بادشاہوں کے فرامین، انگریزوں کے خریطے اور ریاستوں کے معاہدے دیکھنے کا موقع ملا تو میں نے اپنی رائے بدل دی اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ انگریز اس وقت بہت طاقتور ہوگئے تھے۔ نوابوں اور راجاؤں کے لیے انکا مقابلہ آسان نہ تھا اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ نیست و نابود ہوگیا، خود امیر خاں کو معاہدہ کے بعد ہی چین نصیب ہوا، اس سے پہلے وہ کبھی راجستھان میں کبھی مالوہ میں کبھی ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں مار دھاڑ کرتے رہتے تھے، لیکن معاہدہ کے بعد ریاست کو علمی و تعلیمی حیثیت سے ترقی دینے کا موقع میسر آیا، گو وہ خود صاحب علم نہ تھے لیکن اہلِ علم کی قدر کرتے تھے۔

ان کے زمانہ میں بہت سے اہلِ علم دہلی، رامپور، مراد آباد، نجیب آباد وغیرہ سے ٹونک آئے اور یہیں آباد ہوگئے، امیر خاں نے ان کی عزت افزائی کی اور طرح طرح سے انہیں نوازا۔ ان خاندانوں میں مشہور عالم ملا عرفان رامپوری کے بیٹے مفتی محمد اور مولانا

[1] میرے اسی ترجمے کی بنیاد پر جے پور کے راجہ نے انگریزی زبان میں دو ضخیم کتابیں شایع کی ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) کیٹلاگ آف ڈاکیومنٹس ان کپٹر دوارا جے پور (۲) کیٹلاگ آف مینس جے پور، اس کے علاوہ خود میں نے بھی دو مضمون لکھے جو رسالہ "معارف" اعظم گڈھ میں شایع ہوئے، ایک تاج محل اور شاہ جہاں بادشاہ کا فرمان راجہ جے سنگھ کے نام کے عنوان سے جون ۱۹۹۲ء میں شایع ہوا اور دوسرا "کپٹر دوارا جے پور میں فارسی فرامین" اکتوبر ۱۹۹۲ء میں۔

خلیل الرحمٰن رامپوری اور ان کے برادران بھی تھے۔

امیر خاں کے بعد ان کے جانشین نواب وزیر الدولہ ہوئے، ان کی علم دوستی امیر خاں سے بھی سوا تھی، وہ سید احمد شہیدؒ کے مرید بھی تھے۔ ان کے زمانہ میں مزید علمی ترقی ہوئی۔

ان کے بعد نواب محمد علی خانصاحب والیٔ ریاست ہوئے، مگر انگریزوں سے رنجش کی بنا پر وہ جلد ہی معزول اور شہر بدر ہوگئے۔ ان کی جگہ ان کے بیٹے ابراہیم علی خاں نواب ہوئے۔ ان کے زمانہ میں سید حکیم دائم علی صاحب والد حکیم سید برکات احمد صاحب مونگیر صوبہ بہار سے ٹونک آئے۔

نواب محمد علی خانصاحب اپنے پیش رووں سے بڑھ کر علم دوست تھے، ان کے یہاں ہر وقت علما و صلحا کا جم غفیر موجود رہتا تھا اور برابر علمی گفتگو ہوتی رہتی تھی، خود بھی عالم تھے اور انہیں نادر و نایاب کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، ان کا عظیم الشان کتب خانہ انمول اور نادر کتابوں پر مشتمل تھا۔ معزول ہونے کے بعد وہ بنارس میں قیام پذیر ہوگئے تھے، جہاں عرصہ دراز کے بعد ان کا انتقال ہوا، اس کے بعد ان کا کتب خانہ بنارس سے ٹونک منتقل ہوا اور ان کے صاحبزادے عبد الرحیم خاں اس کے نگراں رہے یہ کتب خانہ شہر ٹونک میں کئی جگہ منتقل ہونے کے بعد اور چھوٹے بڑے کئی کتب خانوں کی طرح اب "ابو الکلام آزاد عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان" میں ضم ہوگیا ہے۔

مذکورۂ بالا امراء کے زمانہ میں باقاعدہ مدارس کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا، بلکہ اربابِ فضل و کمال کے گھر ہی درسگاہ کا کام دیتے تھے، چنانچہ مفتی مولوی محمد (خلف ملا عرفان رامپوری) مولانا سید حیدر علی صاحب رامپوری، شمس العلما مولانا امام الدین کشمیری، مولانا محمد حسن خاں (چھاؤنی والے) مولانا محمد حسن خاں برادر کلاں، مولانا حیدر

حسن خاں، مولانا سید حکیم دائم علی صاحب والد حکیم سید برکات احمد صاحب، مولانا سراج الرحمٰن خاں اور دوسرے علمار اپنی اپنی قیام گاہوں پر درس دیا کرتے تھے اور مقامی و بیرونی طلبہ مختلف علوم حدیث، فقہ، تفسیر، فرائض، منطق، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم ان سے حاصل کرتے تھے۔

اس دور کے کسی باقاعدہ مدرسہ[1] کا علم مجھے نہیں ہو سکا البتہ مولانا خلیل الرحمٰن رامپوری (خلف ملا عرفان رامپوری) کے مدرسہ کا پتہ چلتا ہے۔

یہ مدرسہ اب بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہے۔ لیکن کسی زمانے میں یہاں سے بہت سے نامی گرامی علمار فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ مدرسہ میں ایک قلندری مسجد اور باہر کنواں بھی تھا۔ اس کی عمارت دو منزلہ تھی اب یہ عمارت اور اس کے آس پاس قبرستان بن گیا ہے جو موتی باغ قبرستان کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا محمود حسن خاں مصنف "معجم المصنفین" اور استاد اصغر علی آبرو مصنف "تاریخ ٹونک" صاحبزادہ عبداللہ خاں خلف نواب ابراہیم علی خاں کی قبریں اسی عمارت میں واقع ہیں۔

مولانا خلیل الرحمٰن رامپوری نواب وزیر الدولہ کے زمانہ میں ناراض ہو کر گلشن آباد جاورہ چلے گئے۔ ان کی اولاد میں کئی عالم اور حکیم و مفتی ہوئے۔ جن میں حکیم عبدالرب، حکیم عبدالعلی، حکیم عبدالعزیز، حکیم عبدالحق مشہور ہیں، یہ لوگ جاورہ ہی میں رہے مگر ٹونک بھی آمد و رفت رہتی تھی، ان کے حالات "تذکرہ کاملان رامپور" میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

مولانا خلیل الرحمٰن اور مولوی محمد پسران ملا عرفان رامپوری کی اولاد میں بہت سے عالم اور حکیم ہوئے، لیکن میری معلومات کے مطابق اب مولانا خلیل الرحمٰن کی اولاد میں

---

[1] اس ضمن میں حکیم مولوی عمران خاں صاحب کا مضمون "ٹونک کے قدیم مدارس" ملاحظہ ہو جو معارف جلد ۸۰ شمارہ ۲ میں چھپا ہے۔

کوئی عالم یا حکیم جاورہ میں موجود نہیں، البتہ مولوی محمد کی اولاد میں ابھی تک علم سے اشتغال باقی ہے۔ اس ناچیز کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے۔

ٹونک میں انیسویں صدی کے اواخر میں مدارس کا قیام عمل میں آیا، ۱۸۹۹ء میں حکیم سید برکات احمد صاحب نے مدرسہ خلیلیہ قائم کیا اور اس کے آس پاس مدرسہ ناصریہ بھی قائم ہوا، پھر بیسوی صدی ۱۹۲۵ء میں مدرسہ فرقانیہ مولانا حیدر حسن خاں نے قائم کیا۔

یوپی سے جو اہل علم خاندان ٹونک آئے انہیں میں مولوی حیدر حسن خاں کے والد احمد حسن خاں ذکاتی بھی ہیں جن کا اصل وطن نجیب آباد تھا۔ وہ اور ان کے باپ اور دادا سب عالم تھے، مولانا احمد حسن خاں میں علمی قابلیت کے علاوہ ملکی اور انتظامی صلاحیت بھی تھی۔ مفتی محمد خاں خلف ملا عرفان رامپوری کا خاندان ابتدائے ریاست اور نواب امیر خاں کے زمانہ میں ٹونک بلا لیا گیا تھا۔ انہوں نے محلہ امیر گنج میں اپنی مسجد اور کنواں بھی بنا لیا تھا۔ مسجد اب مفتی محمد کے بیٹے مولوی عبدالکریم صاحب کے اور کنواں پوتے منا خاں کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا حیدر حسن خاں ندوۃ العلمار لکھنؤ میں شیخ الحدیث تھے۔ ان کے بھائی مفتی محمد حسن خاں کی شادی مولانا دوست محمد ناظم شریعت کی دختر سے ہوئی اور دوسری دختر کی شادی مولانا سیف الرحمٰن کابلی سے ہوئی جو مدرسہ ناصریہ ٹونک میں صدر مدرس اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے، یہ "ریشمی رومال" کی تحریک میں بھی بہت پیش پیش تھے اور اسی لیے ٹونک کو بھی خیرباد کہہ دیا، پہلے دہلی تشریف لے گئے اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے صلاح و مشورہ کے بعد مسجد فتح پوری میں مدرس ہوئے اور بعد میں تحریک کے قائد کی حیثیت سے باغستان اور افغانستان چلے گئے۔

مولوی حیدر حسن خاں کے والد مولانا احمد حسن خاں دلیر بخت کا ایک واقعہ بھی بڑا سبق آموز ہے، قاضی محمد عرفان خاں ناظم شریعت ٹونک راوی ہیں کہ ایک بار نواب ٹونک نے ایک بہت بڑی جاگیر کی سند ان کو مرحمت کرنی چاہی جس کو انھوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ جن لوگوں کو جاگیر دی جاتی ہے اکثر ان کی اولاد علم سے بے بہرہ ہوتی ہے اور جاگیر پر بھروسہ کرکے علم و کمال حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتی۔

خدا نے اس استغنا اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ صلہ دیا کہ ان کی اولاد آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکی اور نہ صرف ٹونک اور ہندوستان بلکہ تمام دنیا کو روشن و منور کر گئی۔

انھی دلیر بخت کے ایک صاحبزادے مولانا حیدر حسن خاں جب ندوہ میں شیخ الحدیث تھے تو ان سے دنیائے اسلام کے مشہور عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی فیضیاب ہوئے وہ ندوہ چھوڑ کر ٹونک اس لیے واپس آگئے تھے کہ اس زمانے میں مدرسہ امیریہ جو تالاب موتی باغ کے قریب واقع اور بانی ریاست نواب امیر خاں کے نام سے منسوب تھا ضعف و انحلال کا شکار ہوگیا تھا، اس لیے ٹونک والوں کو اس کے احیار اور نشاۃ ثانیہ کا خیال ہوا، چنانچہ اس میں نئی روح پھونکنے کے لیے انھوں نے مولانا حیدر حسن خاں کو دعوت دی اور وہ اس کے صدر مدرس مقرر کیے گئے، مولانا نے مدرسہ میں درس دینا شروع کیا تو سب سے پہلے نواب سعادت علی خاں نے بطور تبرک بخاری شریف کی پہلی حدیث کا درس لیا۔

۱۸۹۹ء میں مولانا حکیم سید برکات احمد نے مدرسہ خلیلیہ قائم کیا، وہ اس وقت مولانا عبدالحق خلف مولانا فضل حق خیرآبادی کے درس سے فارغ ہو کر ٹونک تشریف

لائے تھے ان کی بدولت ٹونک کی گلیوں میں ہندی نژاد ہی نہیں بلکہ افغانستان، ہرات بخارا، تاشقند اور دیگر ملکوں کے طالبان علم نظر آنے لگے۔ اسی زمانے میں مولانا حیدر حسن خاں لاہور میں مولانا غلام احمد نعمانی سے اور مولانا سیف الرحمن کابلی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی سے سند علوم حاصل کرکے مدرسہ ناصریہ میں تعلیم دینے لگے تھے اور ۱۹۲۵ء میں مدرسہ فرقانیہ کی اساس مولانا حیدر حسن خاں نے ڈالی اور حضرت استاد القرار قاری عبدالمالک صاحب ٹونک تشریف لائے۔ ان حضرات کی مساعی جمیلہ، خلوص و للہیت کے نتیجے میں بے شمار علماء، فضلاء، قراء، مجودین، حکماء و صلحاء وجود میں آئے۔ اس وقت نواب صاحبان مسلمان تھے۔ ان کی وجہ سے مدارس اسلامی کو تقویت تھی۔ جاگیر دار صاحبان اور اہل ثروت بھی علماء و مدارس کی طرف متوجہ تھے۔ لیکن افسوس اب ہر طرف سناٹا ہے اگر کچھ ہے تو دنیاوی تعلیم کا بول بالا ہے۔

ایک عجیب مگر عبرت آموز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب تک مدرسہ خلیلیہ میں حکیم سید برکات احمد صاحب اور مدرسہ ناصریہ میں مولانا سیف الرحمن صاحب کابلی اور مولانا حیدر حسن خاں مدرسہ فرقانیہ میں اعزازی طور سے علم فقہ و حدیث کا درس دیتے رہے اور ان میں تمام علوم عقلی کی تعلیم ہوتی رہی تو یہ مدرسہ خلیلیہ، مدرسہ ناصریہ، مدرسہ فرقانیہ کہلاتے تھے اور اب جب تمام علوم میں کمی آگئی ہے اور مدارس علوم سے خالی ہو کر مکاتب بن گئے ہیں تو یہ مدرسے دارالعلوم خلیلیہ، دارالعلوم ناصریہ اور دارالعلوم فرقانیہ کہے اور لکھے جانے لگے ہیں۔

ان مدارس میں درس نظامیہ رائج تھا، بالخصوص خیرآبادی سلسلے کے مدارس میں معقولات منطق اور فلسفہ کا بہت زور تھا، لیکن پھر ٹونک ہی میں نہیں دیوبند و سہارنپور

میں بھی معقولات اور منطق وفلسفہ کے درس میں کمی آتی گئی اور اس کی جگہ عربی علم وادب، تاریخ امم، محاورات اور عربی بول چال اور علوم جدیدہ کا اضافہ ہوگیا۔ خاص طور سے ندوہ لکھنؤ میں علوم جدیدہ اور عربی علم وادب کا اضافہ ہوا اور علوم منطق وفلسفہ کو کم سے کم بلکہ حذف ہی کر دیا گیا۔

بنیادی اور ٹھوس علوم میں کمی ہوئی تو درس نظامیہ کی جگہ امتحانات علوم شرقیہ نے لے لی اور مدرسہ خلیلیہ۔ مدرسہ ناصریہ اور مدرسہ فرقانیہ ان امتحانات کی تیاری کے مراکز بن گئے۔ یہ امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے بھی ہوتے تھے اور الٰہ آباد یونیورسٹی بورڈ سے بھی۔ عربی کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل اور فارسی کے امتحانات منشی۔ کامل اور فاضل تھے۔

البتہ الٰہ آباد کے نصاب میں جہاں فارسی کتابوں کے انتخابات تھے وہاں تاریخ ہند جغرافیہ، حساب، الجبرا اور اقلیدس (GEOMETRY) بھی شامل نصاب تھے ہماری ریاست بھی ان امتحانات کو منظوری دے کر ان میں پاس ہونے والوں کو سرکاری ملازمت دے دیتی تھی، اس کی وجہ سے بہت سے لوگ انگریزی کے میٹرک ایف۔ اے اور بی۔ اے کے بجائے انہی امتحانات کو دے لینا کافی خیال کرتے تھے، جن کے سینٹر دہلی، آگرہ، میرٹھ اور بریلی میں تھے، بعد میں خود ٹونک بھی سینٹر ہوگیا تھا، تقریباً ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۰ء تک یہی سلسلہ چلا، تقسیم کے بعد اور لوگوں کے پاکستان چلے جانے کی وجہ سے طلبہ کی تعداد اور مدارس کی تعلیم میں نمایاں کمی ہونے لگی پھر ریاست بھی انڈین یونین میں ضم ہوگئی اور جاگیریں باقی نہ رہیں تو مدارس کی آمدنی کم ہونے لگی اور وہ مشکلات سے دوچار ہونے لگے۔

اوپر عربی زبان سے تعلق رکھنے والے مدارس اور علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے، ذیل میں

فارسی تعلیم اور اساتذہ کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے۔ اردو کے مشہور شاعر اختر شیرانی کے والد حافظ محمود خاں شیرانی ٹونک میں فارسی کے بڑے ماہر اور محقق گزرے ہیں، انہوں نے علامہ شبلی کی شہرۂ آفاق تصنیف شعر العجم پر تنقید لکھی تھی۔ پروفیسر محمد عمر بھی یہیں کے تھے جو لاہور میں مدرس تھے، ان کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ وہ علامہ اقبال کے استاد اور ان سے فائق تھے۔ ان دونوں کے علاوہ بھی ٹونک میں متعدد باکمال شعراء و اساتذہ گزرے ہیں جو بڑے ذی استعداد تھے اور بعض بعض یہاں کے مدارس میں درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، اس کی وجہ سے نصف صدی قبل ٹونک میں گھر گھر فارسی داں موجود تھے مگر اب یہ میدان بھی صاف ہوگیا ہے اور ریاست کے زمانے میں عربی وفارسی علوم کا جو رواج تھا وہ ریاست کے خاتمہ کے بعد بالکل ہی ختم ہوگیا ہے تاہم اب حال میں پھر مشرقی علوم سے کسی قدر رغبت اور دلچسپی بڑھتی ہے اور عام طور سے پورے ملک میں تعلیمی بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کی جانب بھی توجہ ہونے لگی ہے اور ان کے لیے مدارس بھی قائم ہو رہے ہیں۔ خاص راجستھان میں جے پور، سوائی مادھو پور، کوٹہ، جودھ پور بیکانیر اور رباڑھ میرو غیرہ میں عربی اور دینی تعلیم کے مدارس کھل گئے ہیں۔ جے پور میں "جامعہ ہدایت" کا قیام عمل میں آیا ہے، جس میں عربی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ٹیکنیکل تعلیم کا بھی نظم ہے تاکہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ معاش کے معاملہ میں خود کفیل ہو سکیں گو میری ناقص رائے میں اس طرح کے انتظام سے نہ طلبہ مکمل عالم ہی ہوتے ہیں اور نہ ٹیکنیکل میں پوری مہارت حاصل کر پاتے ہیں، جس طرح طب کے ساتھ آیورویدک اور ایلوپیتھک کے جوڑ سے نہ طلبہ اچھے طبیب ہوتے ہیں اور نہ ڈاکٹر۔ گو انہیں سندیں مل جاتی ہیں اور وہ پریکٹس بھی کرنے لگتے ہیں، اس طرح کے لوگ حکیم کے نام ہی سے شرماتے ہیں۔

اخبار علمیہ

اسلام آباد پاکستان کا ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز گو کم عمر ہے لیکن اس کے حسن خدمت اور بہتر کارگزاری کی دھاک بیٹھ چکی ہے، اس کے ایک مختصر الحجم لیکن مفید رسالہ "اسلام اور عیسائیت" کا تعارف پہلے کرایا جا چکا ہے، اب اس ادارہ نے پاکستان میں چھپنے والے اسلامی لٹریچر کی اطلاع و تعارف کے لیے ایک ششماہی رسالہ "نقطۂ نظر" جاری کیا ہے، اندازاً وہاں سال میں قریباً پانچ چھ سو کتابیں اردو میں صرف علوم اسلامیہ کے موضوع پر شایع ہوتی ہیں، اس کے اولین دو شماروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مقصد میں یہ مجلہ پوری طرح کامیاب ہے، پہلے شمارہ میں دو مضامین تبصرہ نگاری کا فن اور اردو میں تبصرہ نگاری کی روایت بھی شامل ہے، مجلہ کو بڑے سلیقہ سے مرتب کیا گیا ہے۔ اور فکر اسلامی، اصول حدیث، تذکار صحابہ و تابعین، تاریخ اسلام، تصوف، علماء، عالم اسلام، تحریک اسلامی، الملل والنحل، تحریک پاکستان، ارض پاکستان، اقبالیات اور کتاب شناسی جیسے عنوانات قائم کیے گیے ہیں، تبصروں میں سنجیدگی، متانت اور وسعت نظر کی خوبیاں نمایاں ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کے بنیادی مشمولات و مضامین سے روشناس کرا دیا جائے، یہ رسالہ لائق پذیرائی ہے، توقع ہے کہ اس کے مدیر جناب سفیر اختر کی یہ آرزو بھی جلد پوری ہوگی کہ رسالہ میں اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کی کتابیں بھی شامل ہوں، زر سالانہ ۰۰ اروپے ہے اور پتہ یہ ہے: انسٹی ٹیوٹ آف

پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد پاکستان۔

مذکورہ بالا ادارہ کا ایک انگریزی دو ورقی خبرنامہ IPS NEWS کے نام سے موصول ہوا، جس سے اس کی کاوشوں کی ایک اور جھلک سامنے آئی، یہ ادارہ ۱۹۷۹ء میں قائم ہوا تھا، اب قریب دو دہائیاں گزرنے کے بعد اس کے مندرجہ ذیل چھ مختلف شعبہ جات قائم ہوگئے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ اور سیاست، بین الاقوامی روابط اور عالم اسلام، تعلیم، معاشیات، ذرائع اطلاعات اور ثقافت اور علوم و تحریکات اسلامیہ، جن کے تحت چند اور ذیلی شعبے ہیں جیسے عالم اسلام کے شعبہ میں ایک ذیلی اکائی وسط ایشیا کے متعلق ہے۔ رسالہ وسطی ایشیا کے مسلمان کی اشاعت یہیں سے ہوئی، اس کے علاوہ اس شعبہ نے ترکستان میں مسلم مزاحمت، مسلم امت روس میں، سوویت یونین کا زوال جیسی مفید اور وقیع کتابیں نیز انگریزی زبان میں بھی اہم دستاویزی رودادیں شایع کی ہیں ادارہ کے مخلص اور فعال ارکان علوم اسلامیہ کے شائقین کی تحسین و ستائش کے مستحق ہیں۔

افسوس ہے کہ عالم عرب کی مطبوعات جدیدہ سے ہماری واقفیت کا کوئی ذریعہ نہیں، گو بلاد عربیہ سے متعدد ایسے رسائل و جرائد شایع ہوتے ہیں جن سے علم کی گرم بازاری کا حال معلوم ہوسکتا ہے، البتہ دمشق کی مجمع اللغۃ العربیہ کے قدیم علمی مجلہ سے وہاں کے گلستان علم کے چند خوشگوار جھونکے ہم تک بھی پہنچ جاتے ہیں، اس کے دو تازہ شمارے موصول ہوئے تو گزشتہ چند برسوں میں عربی اداروں کی کی چند اہم مطبوعات کا علم ہوا، ان میں جدید طرز کی تعلیقات و تحشیہ سے مزین بعض اہم قدیم مخطوطات ہیں مثلاً ابن عساکر کی اخبار لحفظ القرآن، البحرانی کی اختیار مصباح السالکین

ابن رجب حنبلی اور دوانی کی ثلاث رسائل، ابو بکر الزبیدی اشبیلی کی الزیادات علی کتاب اصلاح لحن العامہ بالاندلس، مرجی ثقفی کی کتاب الحیطان، عبد الغنی نابلسی کی نہایۃ المراد، ابن القاصح کی قرۃ العین فی الفتح والامالۃ بین اللفظین، ابو القاسم الخرقی کی مختصر الخرقی اور الجوالیقی کی مختصر شرح امثلہ سیبویہ وغیرہ۔ تاریخ علوم کے متعلق جمعیۃ السوریہ کی سالانہ علمی مجالس میں پیش کیے گئے مقالات کے مجموعے بھی پرکشش ہیں، تاج العروس کا تکملہ اور لسان العرب الامازیغ دار الفکر دمشق سے ۱۹۹۶ء میں شایع ہونے والی مفتاح المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی بھی جاذب نظر ہیں، ان کے علاوہ مختلف ملکوں میں مخطوطات و مطبوعات عربیہ کی فہارس مثلاً المخطوطات العربیہ فی الغرب الاسلامی، المنتقی من مخطوطات جامعۃ بطرسبرغ، المنتقی من مخطوطات معہد البیرونی للدراسات الشرقیہ بطشقند اور دلیل اوائل المطبوعات العربیہ فی العالم حتی نہایۃ القرن التاسع عشر بھی قابل ذکر ہیں، ۱۹۹۴ء میں دمشق سے شائع ہونے والی مطاع الطرابیشی کی کتاب رواۃ محمد بن اسحٰق فی المغازی والسیر والمرویات بھی بڑی اہم ہے۔

برطانیہ کا مشہور برٹش میوزیم محتاج تعارف نہیں، قریباً ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ کتابوں کے اس بے مثل خزانے میں علوم اسلامیہ کی نادر ترین دولت بھی محفوظ ہے جس کو دیکھ کر آج بھی اسکے اصل وارثوں کے دل سیپارہ ہوتے ہیں، ۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان میں انگریز قتل و غارت گری اور لوٹ کھسوٹ میں مصروف تھے عین اسی زمانہ میں وہاں اس لائبریری کے در کھلے اور ۱۴۰ سال تک اس کا مشہور زمانہ مطالعہ کا کمرہ جو گول گنبد کے نام سے معروف ہے، علم و دانش کا مرکز فیضان بنا رہا، اب اس لائبریری کی عمارت بھی بدل دی گئی ہے اور مشہور گول گنبد والا کمرہ بھی بند کر دیا گیا ہے،

چنانچہ اس سے وابستہ بے شمار یادیں اب صرف ذہنوں میں بند ہو کر رہ گئی ہیں، گزشتہ چند ہفتوں سے برطانیہ کے اخبارات و رسائل اس کمرہ کی افسانوی یادوں کے ذکر سے معمور نظر آتے ہیں، اور اسکے جلو میں برطانوی عوام کے شوق مطالعہ اور کتب بینی کی عادت کا پُر فخر انداز میں ذکر کیا جا رہا ہے اور بقول ایک مبصر کے یہ حقیقت بھی ہے کہ انگریزوں کے اقسام محبت میں کتابوں کا عشق خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ کتابیں خریدتے ہیں، مستعار لے کر پڑھتے ہیں اور انکی چوری بھی کرتے ہیں، بعض ادارے تو پابندی سے مطالعہ کے موضوع پر کامیاب سمینار منعقد کرتے رہتے ہیں، چنانچہ جب برٹش میوزیم کی منتقلی کا عمل شروع ہوا تو یہ خاصا زیر بحث رہا اور گو نئی عمارت بعض نکتہ چینیوں کی نظر میں سخت ناگوار ہے اور عوامی جذبات بھی مخالفانہ ہی ہیں لیکن یہ وقتی جذبات نہیں بلکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی برٹش میوزیم کی نئی عمارت کا خاکہ زیر غور آیا تو قدیم و جدید کے حامیوں کا تنازعہ بھی ساتھ لایا، منصوبے بنتے اور بگڑتے رہے ۱۹۶۲ء میں دو ماہرین تعمیر کا تقرر کیا گیا، تعمیر کا میزانیہ قریباً دو ملین پاؤنڈ تھا، کمیٹی بھی بنی، ۱۹۷۱ء میں حکومت نے اس سلسلہ میں قرطاس ابیض بھی شایع کیا، ۱۹۷۸ء میں اسکی جدید عمارت کا ایک نقشہ بھی پیش کیا گیا، لیکن عوام گول گنبد کی روایات پر اس قدر فریفتہ تھے کہ اسکی منتقلی کا خیال ہی انکے لیے سوہان روح تھا، ایک طبقہ نے باقاعدہ "ریگولر ریڈرس گروپ" کے نام سے ایک احتجاجی محاذ بھی قائم کر لیا، اس اثنا میں میزانیہ دو چند ہو گیا، مخالفوں کی ایک دلیل یہی تھی کہ اس قدر خطیر رقم کے خرچ کا جواز ہی نہیں، لیکن اس کی تعمیر جدید ہو کر رہی، گزشتہ سال سے کتابوں کی منتقلی شروع ہوئی اور امید ہے ۱۹۹۹ء میں یہ عمل پایۂ تکمیل کو پہونچے گا۔ نئی عمارت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں موزونیت ہے نہ حسن تناسب، بلند اور پست چھتوں کے درمیان منقسم یہ عمارت ان لوگوں کو تو ذرا متاثر نہیں کرتی جو گول گنبد کے کلاسیکی حسن پر فدا تھے، پرنس آف ویلز جو عمارتوں کے متعلق رائے زنی کے شائق ہیں، انہوں نے کہا کہ "یہ سائبانوں کا ایسا مجموعہ ہے جو علامتِ سطوت و شوکت کی تلاش میں ہے۔"

ع۔ ص۔

معارف کی ڈاک

مکتوبِ لکھنؤ

۲۸/۱۱/۹۷ء

مخدوم و محترم جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب دام مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! خدا کرے بہمہ وجوہ مع الخیر ہوں! ادھر کافی عرصہ سے شرفِ ملاقات حاصل نہیں ہوا، حالانکہ کئی موقعے ایسے آئے جن میں ملاقات متوقع تھی۔

"معارف" اپنے انداز میں مل رہا ہے یعنی ناغوں کے ساتھ، میں نے اب نہ ملنے کی شکایت آپ کو لکھنا چھوڑ دی ہے، کیونکہ اندازہ ہوگیا ہے کہ ڈاک کا نظم کسی کے قابو میں نہیں ہے۔

تازہ معارف (شمارہ نومبر ۹۷ء) موصول ہوگیا ہے (گزشتہ مہینہ کا نہیں ملا تھا) اس میں "سیرۃ النبی جلد پنجم کے بعض قرآنی مباحث" کے عنوان سے آپ کے قلم سے سید الطائفہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے افادات کی تلخیص بڑی معلومات افزا ہے جس سے آں ممدوح کے قرآن مجید کے وسیع و عمیق مطالعہ کی جھلک نظر آجاتی ہے لیکن اسی میں (معارف نومبر ۹۷ء میں ص۳۳۳) پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ جملہ زیر قلم آیا ہے: "جو نافرمان قوم پر عذاب آنے کی تاخیر کی وجہ سے بھاگ کھڑے ہوئے"۔ ظاہر ہے کہ اسے سبقت قلم ہی کا نتیجہ قرار دیا جائے گا جو غالباً بے خیالی میں تراوش ہوگیا، کیونکہ اس تعبیر (بھاگ کھڑے ہوئے) سے ایک نبی محترم کی شان میں سوء ادب کا پہلو نکلتا ہے (بتانے کی ضرورت نہیں کہ بھاگ کھڑا

ہونا" مذموم محل میں استعمال ہوتا ہے) بہرحال جس سے بچنا چاہیے تھا، اب بھی اس کی تلافی ممکن ہو تو کر دیا جانا ہی مناسب ہے[1]

دوسری ایک اور عبارت (اسی شمارہ نومبر ۹۷ء) ص۳۶۵ کی محل نظر معلوم ہوئی وہ یہ کہ مضمون نگار نے لکھا ہے:-

"..... وہ صحابی راوی جو حافظ و عدالت میں معروف ہوں مگر اجتہاد و فتوے دینے کے اہل نہ ہوں ...... ان کی روایات کو دیکھا جائے گا ..... اگر مخالف قیاس ہوں تو ترک کر کے قیاس کو ترجیح دی جائے گی، یہ رائے جمہور احناف کی ہے۔"

اس پر یہ عرض کرنا ہے کہ مضمون نگار کا یہ کہنا محل نظر ہے کہ "یہ رائے جمہور احناف کی ہے"۔ کیونکہ محققین احناف اور اکثریت کی رائے یہ نہیں ہے بلکہ ان کی رائے یہ ہے کہ روایت کو ترجیح حاصل ہوگی قیاس پر۔ البتہ حنفیہ میں عیسیٰ بن ابان کی یہ رائے ہے جسے زیر نظر مضمون میں جمہور احناف کی رائے قرار دیا گیا ہے اور اسے جمہور احناف اور محققین نے قبول نہیں کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے "حجۃ اللہ" (باب حکایت حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وما بعدھا)

امید ہے کہ میری اس درازنفسی کو معاف فرمائیں گے، اگر نامناسب نہ سمجھیں تو انہیں "معارف" کے صفحات میں جگہ دے دیں۔ دعائے خیر کی درخواست ہے۔ والسلام

احقر: محمد برہان الدین سنبھلی

دار العلوم ندوۃ العلماء

---

[1] معارف: یہ حضرت سید صاحب کے الفاظ اور دراصل قرآنی آیت "ابق الی الفلک المشحون" کا ترجمہ ہیں، سیرت پنجم کے نئے ایڈیشن میں تلافی ممکن ہو سکے گی۔

مکتوب دہلی

۲۶ نومبر ۱۹۹۷ء

مکرمی و محترمی جناب ضیاء الدین اصلاحی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نومبر ۱۹۹۷ء کے معارف میں میری کتاب "ہجرۃ ان اسلام" پر تبصرہ شائع کرنے کا شکریہ۔ فاضل تبصرہ نگار کی ایک عبارت سے بعض لوگوں کو غلط فہمی یا تکلیف ہوسکتی ہے۔ اسی لیے یہ توضیح بھیج رہا ہوں۔ تبصرہ کے آخر میں کہا گیا ہے کہ کتاب میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کو "پاکستان کا غیر مقبول عالم" لکھا گیا ہے۔ یہ وصف درست نہیں ہے۔ کتاب کے صفحہ ۴۰ پر مولانا اصلاحی صاحب کی ایک عبارت نقل کرتے ہوئے بسلسلۂ تعارف ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: A DISTINGUISHED BUT NOT POPULAR PAKISTAN ALIM - جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: "پاکستان کا ایک ممتاز عالم جسے قبولِ عام نہیں ملا" مذکورہ عبارت میں 'UNPOPULAR' (غیر مقبول) نہیں بلکہ 'NOT POPULAR' (یعنی جسے قبولِ عام نہیں ملا) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ پہلا وصف ذم کے دائرہ میں آتا ہے، جبکہ دوسرا وصف اظہار واقعہ اور وصفی نوعیت کا ہے۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ اپنا مدعا انتہائی واضح اور کم از کم الفاظ استعمال کرکے کردوں۔

والسلام

نیازمند

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان۔

مکتوب علی گڑھ

علی گڑھ۔ جمعہ ۵ دسمبر ۱۹۹۷ء

محترمی ضیاء الدین اصلاحی صاحب! السلام علیکم

بہت افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہا ہوں کہ آج کوئی چار بجے دن کو پروفیسر خلیق احمد نظامی رحلت کرگئے۔ بالکل بھلے چنگے تھے۔ سرسید نگر کی جامع مسجد سے جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر پہونچے، کھانا کھایا، چھوٹے بچوں سے ہنستے بولتے رہے پھر عادت کے مطابق قیلولہ کے لیے بستر پر لیٹ گئے۔ پونے چار بجے کے قریب انکی نیند ٹوٹی۔ چہرے پر سے رضائی ہٹائی، ایک سانس لیا اور انکی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ...

بزرگان دین سے عقیدت اور صوفیائے کرام سے محبت کرتے تھے۔ انہیں جمعہ کا مبارک دن ملا۔ علالت و پریشانی میں کبھی کبھی نمازیں قضا ہوجاتی ہیں، ان کی کوئی نماز انکے ذمے باقی نہ رہی۔ جمعہ کی نماز پڑھ لی تھی اور عصر کی ابھی اذان نہیں ہوئی تھی، نہ خود تکلیف اٹھائی نہ اعزہ میں کسی کو تکلیف اور زحمت دی۔ ان کی موت نہایت پرسکون واقع ہوئی۔

مجھے کوئی چھ بجے پروفیسر نذیر احمد صاحب نے فون کیا۔ نظامی لاج پہنچا تو مرحوم کے دوست احباب اعزہ جمع تھے۔ احتشام انگلستان گئے ہوئے تھے اور فرحان انگلستان سے کسی جلسے میں شرکت کے لیے جرمنی۔ دونوں کو اطلاع دیدی گئی ہے اور دونوں تجہیز و تکفین میں شرکت کے لیے کل دوپہر تک آجائیں گے۔ ممکن ہے کراچی سے بھی اعزہ آجائیں۔ نماز اور تدفین عصر کے بعد۔

ابھی شب کو وہاں سے واپس آکر آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں کہ صبح کی ڈاک سے نکل جائے۔ دسمبر کے معارف میں وفیات کے تحت آپکا مضمون چھپنا چاہیے ورنہ شذرات میں تو ذکر ضرور آجانا چاہیے[۱]۔ انکا دار المصنفین اور معارف سے گہرا تعلق تھا۔ خدا انکی مغفرت فرمائے اور انکے درجات بلند فرمائے۔ یہ ذاتی خط ہے بہت عجلت میں لکھ رہا ہوں۔

والسلام: مختار الدین احمد

۱؎ معارف مکمل ہوچکا تھا کسی طرح اس خط کی گنجائش نکالی گئی۔ "ض"

ادبیات

قطعہ

(ایک مٹتے ہوئے گورِ غریباں کو دیکھ کر)

از پروفیسر ولی الحق انصاری لکھنؤ

یہ کفن پہنے ہوئے جو سو رہے ہیں زیرِ خاک
کون جانے بے نوا تھا کون ان میں کون شاہؔ

کون جانے بندۂ مجبور کہلاتا تھا کون
کون جانے کس کو دنیا کہتی تھی عالم پناہ

کون جانے کون تھے جن کے جھکے رہتے تھے سر
کون جانے کون تھے ان بیکسوں میں کج کلاہ

کیا خبر تھے کون، آنکھیں جن کی خوں روتی رہیں
کون جانے شعلے برساتی رہی کس کی نگاہ

کیا خبر تھے کون ان میں زندگی بھر فاقہ مست
کیا خبر تھے کون ان میں صاحبانِ عز و جاہ

کیا خبر تھے کون ان میں جو تھے جانِ میکدہ
کیا خبر تھے کون ان میں جو تھے فخرِ خانقاہ

ہوں گے ان میں کچھ فرشتوں سے بھی بڑھ کر پاکباز
ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو رہے غرقِ گناہؔ

ہوں گے وہ بھی باعثِ تضحیک تھا جن کا کلام
ہوں گے وہ بھی بات پر ہوتی تھی جن کی واہ واہ

ان میں ممکن ہے کہ ہوں کچھ وہ بھی جو جب تک جیے
راستے میں دوسروں کے کھودتے رہتے تھے چاہؔ

اور اس کا بھی ہے امکان آج جو ہیں زیرِ خاک
ان میں ہوں گے وہ بھی جو انسان کے ہوں خیر خواہؔ

ہوں گے اپنے عہد میں یہ سب فلاں ابن فلاں
مایۂ عبرت ہیں اب تو بن کے یہ سب خاکِ راہؔ

ذکر کیا افعال کا ان خفتگانِ خاک کے
نام سے بھی انکے اب واقف نہیں ہے کوئی آہ

نیک تھے یا بد تھے جو کچھ بھی تھے بندے تھے ترے
بخش دے رحمت سے اپنی ان سبھوں کو یا اللہ

مطبوعاتِ جدیدہ

رسالوں کے خاص نمبر

الحق (خصوصی شمارہ) مدیر جناب مولانا سمیع الحق، صفحات ۱۶۵، قیمت ۳۵ روپے سالانہ ۱۵۰ روپے، پتہ: ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ پاکستان۔

برصغیر کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوئے پچاس سال ہو گئے، اس موقع پر ہند و پاک کی حکومتیں مختلف پروگرام منعقد کرکے جشن آزادی منانے میں مصروف ہیں، لیکن سنجیدہ، دردمند اور باشعور افراد و ادارے اس موقع کو احتساب و خودنگری کا لمحۂ غنیمت تصور کرتے ہیں، زیر نظر شمارہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو تقریباً بائیس مضامین پر مشتمل ہے، اس میں پاکستان کے معروف اہل قلم نے وہاں کے احوال کا جائزہ لیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ آزادی کا یہ سفر کج رفتار و بے سمت گزرا، جناب حکیم محمد سعید نے اس کا اصل سبب واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کے نسخۂ کیمیا کا فراموش کر دیا جانا بتایا ہے، فاضل مدیر کے قلم سے ایک مضمون میں موجودہ حالات کے پس منظر میں مولانا مدنیؒ اور مولانا ابو الکلام آزاد کے ان اندیشوں کا ذکر ہے جو ان کی نگاہ میں آج حقیقت میں بدل گئے ہیں، ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کا مقالہ فکر انگیز ہے جس میں نظریۂ پاکستان کی صحت و عدم صحت سے قطعِ نظر اس اہم نکتہ پر بحث کی گئی ہے کہ "یہ استحقاق کس کو حاصل ہے کہ اس کے افکار کو نظریۂ پاکستان کی بنیاد بنا دیا جائے"، لیکن ان کے بعض خیالات اہلِ نظر کی بحث کا موضوع بن سکتے ہیں، چنانچہ الحق کے تازہ شماروں سے معلوم ہوا کہ یہ تحریر

متنازعہ بن گئی ہے، تاہم ان کے خیالات غور و فکر کے لائق ہیں، ایک اور مضمون سید احمد شہیدؒ اور اکوڑہ بھی معلومات افزا ہے، ماضی سے بے اطمینانی کے باوجود عام طور سے روشن مستقبل کی توقعات بھی ہیں، تاریخِ پاکستان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس شمارہ میں خاصا مواد موجود ہے۔

مجلہ ترجمان الاسلام (مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نمبر) مرتبہ جناب

اسیر ادروی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، صفحات ۲۴۰، قیمت ۳۰ روپے، پتہ: جامعہ اسلامیہ، ریوڑی تالاب، بنارس، یوپی ۲۲۱۰۱۰۔

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کے سانحۂ وفات کو اب تقریباً ایک سال ہو رہا ہے لیکن ان کی دلنواز یادوں اور باتوں کی خوشبو ان کے متعلقین کے ذہن و دل میں اب بھی بسی ہے، علمی دنیا میں ان کا خلا شاید مشکل سے پُر ہو سکے، ان کے یاران دیرینہ میں اس خاص نمبر کے فاضل مرتب بھی ہیں جنھوں نے بلند پایہ مقالات و مضامین پر مشتمل یہ خاص نمبر شایع کر کے اپنے رفیقِ دیرینہ کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ حدیث یار کے عنوان سے قاضی صاحب مرحوم کی شخصی و علمی زندگی اور خود اپنے مخلصانہ روابط کو تفصیل سے سپردِ قلم کیا، بلاشبہ یہ خاص نمبر قاضی صاحب مرحوم کے علمی، تحقیقی اور تاریخی کارہائے نمایاں کا عمدہ مرقع ہے۔

رفیق منزل (مسلم تعلیمی تحریکات و شخصیات نمبر) مدیر جناب ایاز احمد

اصلاحی، صفحات ۱۶۴، قیمت ۲۵ روپے، زرِ سالانہ ۷۰ روپے، پتہ: ۲۳۰، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔

یہ رسالہ اپنے اصلاحی مضامین کے لیے خصوصاً مسلمان نوجوانوں کی کردار سازی کے لیے معروف ہے، اس سے پہلے اس نے ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق دو اہم

شمارے تعلیم و وسائلِ تعلیم اور تعلیمی رہنما کے عنوان سے شایع کیے تھے، زیرِ نظر شمارہ اسی سلسلہ کی تیسری کڑی ہے، جس میں ہندوستان کے ممتاز تعلیمی اداروں، تحریکوں اور قدیم و جدید مشاہیر اہلِ تعلیم کا جائزہ و تذکرہ شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، مولانا سید سلیمان ندوی کا مشہور مضمون ہندوؤں کی تعلیمی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

افکار ملی (مسلم معاشرہ نمبر) مدیر ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس، صفحات

۲۴۰، زرِ سالانہ ۱۲۰ روپے، پتہ: ای ۲۲/۱۵۳ ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔

ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش مسائل میں خود ان کے معاشرہ کی شکست و ریخت اور اسلامی اقدار کے زوال و انحطاط کا مسئلہ سب سے اہم ہے، تعلیمی پس ماندگی اور اقتصادی بدحالی کی بڑی وجہ یہی معاشرتی فساد اور اس کی اصلاح سے چشم پوشی ہے، اس اہم مسئلہ کا زیرِ نظر شمارہ میں تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے، مضامین کو اصول مباحث، ماہیت اور مسائل و امکانات کے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، قیادت، جذباتیت، جہیز، مہر، طلاق، ازدواجِ بیوگان، ذات پات، رسم و رواج، پرسنل لا، دار القضا اور اجتماعی نظمِ زکوٰۃ پر متعدد عمدہ تحریریں ہیں، ان کے علاوہ نوجوان و کہن سال اشخاص، گداگری اور پاکی و صفائی کے متعلق بھی اچھے مضامین ہیں، ادارہ افکار ملی کا یہ دعویٰ غلط نہیں کہ پہلی بار اس موضوع پر اتنا حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ (صدر الشریعہ نمبر) مرتبہ مولانا مبارک حسین مصباحی

بڑی تقطیع، بہترین کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۲۸۸، قیمت ۴۰ روپے، پتہ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ، یوپی ۲۷۶۴۰۴

دیارِ پورب کے علماء و فضلاء میں ایک نمایاں اور اہم نام مولانا امجد علی گھوسوی

صاحب بہار شریعت کا ہے، وہ تفسیر و حدیث کے استاد تھے، فقہ میں تبحر حاصل تھا، عالم باعمل اور اہل دل تھے' ان کے بے شمار شاگرد ہوئے لیکن ان کے سوانح اب تک مرتب نہ ہوسکے تھے' خوشی کی بات ہے کہ اس ضرورت کو جامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے محنت و سلیقہ سے پورا کیا اور ان کی شخصیت' افکار و احوال اور تصنیفات و تالیفات کے متعلق مفصل معلومات اس خاص نمبر میں جمع کر دیے۔

اللہ کی پکار مدیر جناب ڈاکٹر خالد حامدی، صفحات ۸۸، قیمت فی شمارہ ۲ روپے سالانہ ۲۵ روپے' پتہ: پوسٹ بکس نمبر ۹۷۰۲' جامعہ نگر' نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔

یہ ماہی رسالہ دہلی کی ٹکسالی صحافت کی تازہ دین ہے' خالص مذہبی اور اسلامی مضامین کی اشاعت اس کا اصل مقصد ہے اور زیر نظر شمارہ کی فہرست مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے، قرآن و حدیث' سیر و آثار صحابہ کرام کے مستقل موضوعات کے علاوہ ائمہ سلف کے اقوال و ملفوظات کو اختصار کے ساتھ بڑے سلیقہ سے پیش کیا گیا ہے طباعت بھی عمدہ ہے۔

پیغام (تعلیمی سمینار نمبر) مدیر جناب مولوی محمد حسن جبیب فلاحی، صفحات ۱۲۶، زر سالانہ ۵۰ روپے' پتہ: الحمرا ایجوکیشنل سوسائٹی، پوسٹ بکس نمبر ۲۸۹۶، کاٹھمنڈو، نیپال۔

ریاست نیپال کا شمار پس ماندہ' غیر تعلیم یافتہ اور افلاس زدہ ملکوں میں کیا جاتا ہے' مسلمان وہاں کی آبادی کا ایک حصہ ہیں جن کی تعلیمی ترقی کے لیے الحمرا ایجوکیشنل سوسائٹی سرگرم عمل ہے' اس سلسلہ میں اس نے ایک تعلیمی سمینار منعقد کیا تھا جس میں نیپال کے علاوہ ہندوستان کے متعدد علماء شریک ہوئے' زیر نظر شمارہ اس سمینار میں پڑھے جانے والے مقالات کا مجموعہ ہے۔

ض - ص -